تفسیری ادب پر استعماری تسلط کے اثرات
(تحقیقی جائزہ)

مقالہ ایم فل علوم اسلامیہ لیڈنگ ٹو پی ایچ ڈی

مقالہ نگار

حامد محمود راجہ

رول نمبر:AF837453

خطیب جامع مسجد اقصیٰ (TEVTA)

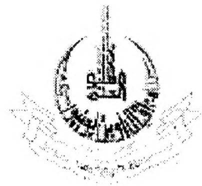
H-96 گلبرگ۔لاہور

نگران مقالہ

ڈاکٹر ثناء اللہ حسین

شعبہ علوم اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

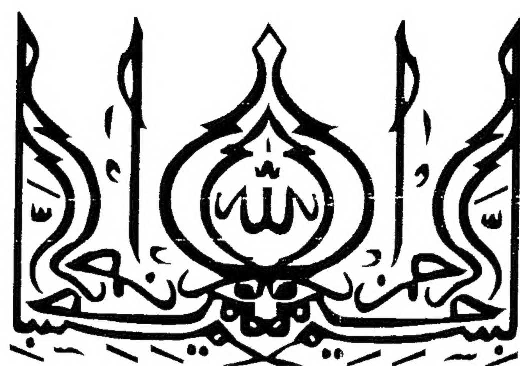


شعبہ علوم اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی

اسلام آباد

2011-2012


بسم الله الرحمن الرحيم

DECLARATION

Hamid Mahmood Raja S/O Mahmood ul Hassan

Roll No. AF837453 Registation No. 08-pjm-3945

A Student of M.Phill at the Allama Iqbal Open University, Islamabad do hereby solemnly declare that the thesis entitled

"تفسیری ادب پر استعماری تسلط کے اثرات"

(تحقیقی جائزہ)

Submitted by me in partial fulfillment of M.Phil degree in Islamic Studies is my original work, and has not been submitted or published earlier and shall not, in future, be submitted by me for obtaining any other degree from this or any other University of institution.

Date: Signature

Hamid Mahmood Raja

FORWARDING SHET

Title of Thesis

تفسیری ادب پر استعماری تسلط کے اثرات

(تحقیقی جائزہ)

Submitted Mahmood Raja S/O Mahmood ul Hassan in partial fulfillment of M.phil degree in Islamic Studies has been completed under my guidance and supervision.

We are satisfied with the quality of student's research work.

Supervisor: ____________________

Date: 20-06-2012

APPROVAL SHEET OF THE COMMITTEE

Title of Thesis

تفسیری ادب پر استعماری تسلط کے اثرات

(تحقیقی جائزہ)

Name of Student Hamid Mahmood Raja S/O Mahmood ul Hassan accepted by the Faculty of Arabic & Islamic Studies, Allama Iqbal Open University Islamabad in partial Fulfillment of requirment for the M.phil in Islamic Studies

____

Viva Voce Committee

____

Dean, F/O A/S

____

Chairman

Department of Islamic Law

____

External Examinar

____

Supervisor

انتساب

اپنے والدین کے نام

ہدیہ تشکر

اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ہے کہ اُس نے اِس بندہ ناچیز کو دین کے حوالے سے کچھ حروف لکھنے کی توفیق بخشی جو محض اس کا انعام واکرام ہے ورنہ انسان خطا ونسیان کا پتلا ہے۔اس اہم کام میں راقم کو اپنے علاوہ کئی ایک شخصیات کا تعاون حاصل رہا ہے جن میں والدین کا نام سر فہرست ہے بالخصوص والدہ کا کہ انہوں نے ہر قسم کے حالات میں ہمارے تعلیمی سفر کو جاری وساری رکھا۔اسی طرح اساتذہ کرام کا شکریہ بھی ضروری ہے کہ جن کی محنت کی وجہ سے آج ہم قرآن وحدیث سمجھنے کے قابل ہوئے خصوصاً مولانا کریم بخش صاحب کہ جن کی محنت اور شفقت علمی سفر میں ساتھ دیتی ہے۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات میں ڈاکٹر ثنااللہ حسین کا مشکور ہوں کہ جن کی علمی اور تحقیقی نگرانی میں یہ سارا کام مکمل ہوا۔اسی طرح فیکلٹی کے دیگر اساتذہ کرام کی بھی رہنمائی مختلف مراحل میں ہمت بندھاتی رہی جن میں ڈاکٹر محی الدین ہاشمی، پروفیسر ڈاکٹر باقر احمد خان خاکوانی ،ڈاکٹر معین الدین ہاشمی اور ڈاکٹر غلام یوسف کے نام قابل ذکر ہیں۔

مقالے کی تدوین میں جامعہ اشرفیہ کی لائبریری سے استفادہ کیا گیا جس کے لئے نگران لائبریری حافظ محمد عرفان حیدر کا بھی مشکور ہوں۔

حامد محمود راجہ

مقدمہ

نحمدہ ونستعینہ ونصلی علی رسولہ الکریم

موضوع کا تعارف:

اسلامی تاریخ میں دو مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ علمائے اسلام کو غیر مسلم اقوام کے نظریات کے مطابق اپنے نظریات کی وضاحت کرنا پڑی ہے اور اس کی ضرورت غیر مسلم لوگوں کو نہیں تھی بلکہ اہل اسلام ہی ان نظریات سے اتنا متاثر ہوئے کہ علما ایک نئی جہت اور ترتیب سے اسلامی عقائد اور مسلمات کی تشریح کرنے پر مجبور ہوئے۔ پہلی دفعہ جب یونانی فلسفہ اور منطق نے مسلمانوں کے ذہنوں میں جگہ بنائی تو مسلم علما نے انہی علوم کے مسلمات کی روشنی میں آیاتِ قرآنی کی تنقیح کی اور دوسری دفعہ جب مغربی افکار و نظریات نے اسلامی ممالک پر یورش کی تو اہل علم نے پھر اس کا بھرپور جواب دیا۔ اس یلغار کو ہم زیر نظر مقالے میں "استعماری تسلط" کے نام سے یاد کریں گے۔ استعماری تسلط کے اثرات سے پہلے ضروری ہے کہ اس کے دورانیے کا تعین کر لیا جائے۔

عہد جدید میں پروان چڑھنے والے مغربی افکار و نظریات تو سولہویں صدی میں ہی پروان چڑھنا شروع ہو گئے تھے لیکن اٹھارویں صدی کے آخر تک ان کا اثر و نفوذ یورپ کی داخلی حد تک محدود تھا۔ عالم اسلام پر اس کے اثرات اٹھارویں صدی کے آخر میں محسوس کئے گئے۔ جب مسلم ممالک پر استعماری قوتوں کا تسلط مضبوط ہو گیا تو ان علاقوں میں اورینٹلسٹ (مستشرقین) کی ایک بڑی جماعت پیدا ہو گئی اس رجحان کا آغاز ہالینڈ سے ہوا جہاں ۱۷۷۸ میں ایشیاٹک سوسائٹی قائم کی گئی۔ ۱۷۸۴ میں کلکتہ، ۱۷۸۸ میں بنگال اور ۱۷۹۵ میں فرانس میں بھی اسی نوعیت کی سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔ یہ الفاظ مولانا شبلی نعمانی کے ہیں جو انہوں نے اپنی معروف تصنیف سیرت النبی ﷺ کے مقدمہ میں درج کئے ہیں لہذا اسی رائے کو معتبر سمجھتے ہوئے ہم ۱۷۸۰ کے بعد کی تفاسیر کو عہد استعمار کی تفاسیر میں شمار کریں گے۔

اس بات کو سمجھنے کے لئے کسی بڑے فلسفی دماغ کی ضرورت نہیں کہ یہ تمام کاوشیں اسلام کو مخلصانہ طور پر سمجھنے کے لئے نہیں تھیں بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ حقائق میں اس طرح تحریف کی جائے کہ یورپی لوگ اسلام کو مشکوک نگاہوں سے دیکھیں۔ ان کی نظریں صرف یورپی لوگوں تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ اس کاوش کا دائرہ کار ہر اس علاقے کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے تھا جہاں استعماری تسلط نے اپنے پنجے گاڑے ہوئے تھے۔ وہ چیزیں جو ایک عام ذہن کو متاثر کر رہی تھیں ان میں طریقہ تحقیق، مسائل کے تجزیے اور نتائج اخذ کرنے کا طریقہ جیسی علمی تحریفیں سرفہرست ہیں۔

چنانچہ ان سوسائٹیوں سے فارغ ہونے والے لوگوں نے ایک بنے بنائے ذہن کے مطابق اسلام کے خلاف ایک ناروا پروپیگنڈے کا آغاز کر دیا۔ ایک طرف تو دوسرے لوگوں کو رواداری اور برداشت کا درس دینے والے انگریزوں کی تلوار مسلمانوں کے سر پر لٹک رہی تھی اور دوسری طرف اس تلوار کے سائے میں عیسائی مشنری اپنی تخریبی سرگرمیوں کو بڑی سرعت کے ساتھ آگے بڑھا رہی تھی۔ یہاں عیسائی اور یورپی مشنری کی تمام اسلام مخالف کاوشوں کا احاطہ تو ناممکن ہے البتہ قرآن کے حوالے سے چند استعماری ہتھکنڈے ق[illegible] کرتے ہیں ۔ ۱۸۶۲ میں جارج سیل کا کیا ہوا ترجمہ قرآن ان تمام خرابیوں کا ماخذ اول ہے۔ جو غلطیاں قرآن کے حوالے سے جارج سیل نے کیں بعد والے تراجم میں بھی وہی غلطیاں ہوئی ہیں ۔ جارج سیل عربی کا ماہر سمجھا جاتا ہے ظاہر ہے اس نے یہ غلطیاں جان بوجھ کر کیں اور اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے ذہن میں قرآن کی حقانیت کے حوالے سے شکوک شبہات پیدا کئے جائیں اور اس کوشش میں کافی حد تک کامیاب نظر آتا ہے ۔ جارج سیل نے اپنے ترجمہ قرآن کے مقدمے میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن حضرت محمد ﷺ کی تصنیف ہے اور اس میں کافی حد تک تحریف ہو چکی ہے ۔ نیز قرآن کے اکثر مضامین عیسائیت اور یہودیت سے مستعار لئے گئے ہیں ۔ جارج سیل کے بعد نولڈیکے (Noldeke) اس کے شاگرد ستوالی (Schwally) نے اس علمی تحریف کے مشن کو آگے بڑھایا۔ ان لوگوں کے بعد اس میدان میں پروفیسر بیل اور پروفیسر بلاشیر کا نام نمایاں ہے۔

مستشرقین کے تفسیری کام میں سابقہ ذکر کردہ تین نکات نمایاں نظر آتے ہیں کہ

قرآن کریم حضرت محمد ﷺ کی تصنیف ہے

قرآن کریم میں تحریف ہوئی ہے

اس کے مضامین یہودیت اور عیسائیت سے مستعار لئے گئے ہیں

لیکن مسلم محکوم علاقوں میں قرآن کی صداقت پر کئے گئے مستشرقین کے اس حملے نے دو طرح کا ردعمل پیدا کیا جس سے لوگ اس پروپیگنڈے کی زد میں آگئے اور انہوں نے تفسیری ادب میں کئی ایک فاش غلطیاں کیں لیکن انہوں نے وہ کچھ نہیں کہا جو کچھ خود مستشرقین نے اپنی کتابوں میں لکھا تھا کیونکہ وہ کہہ نہیں سکتے تھے اگر کہتے کہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے یا یہ محمد ﷺ کی تصنیف ہے تو مسلم معاشرے سے کسی بھی ردعمل کی توقع کی جا سکتی تھی لہذا انہوں نے انداز بدل کر تعلیمات قرآن کو تبدیل کرنے کی کوشش کی۔ بڑے زور

وشور سے لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ قرآن کا جو مطلب قدیم مفسرین نے سمجھا تھا وہ درست نہیں تھا۔ صحیح وہ ہے جو ہم نے سمجھا ہے حالانکہ ان کی سمجھ مستشرقین کے پاس گروی رکھی ہوئی تھی۔ یہ جملہ بظاہر قدیم مفسرین پر طنز کے طور پر کہا گیا ہے لیکن اس کے پس منظر میں قرآن کے انکار جیسی خطرناک غلطی پوشیدہ ہے۔ سرسید احمد خان نے معجزات انبیا کے سلسلے میں اس اصول کو پوری کامیابی سے لاگو کیا ہے۔ اسی طرح چونکہ احادیث اور فقہی مسائل ان کی آزادی نفس اور بے راہ روی میں حائل تھے اس لئے کہا گیا کہ احادیث در فقہی مسائل قرآن مفہوم کی عالمگیری اور ابدیت کو محدود کرتے ہیں لہذا قرآن فہمی کے ان کی کوئی ضرورت

نہیں اور اس جملے کا ہدف خصوصی طور پر حدیث نبوی ﷺ تھی۔ فتنہ انکار حدیث کا ہلکا سا سراغ تو علامہ جلال الدین سیوطی کے زمانے میں بھی ملتا ہے لیکن اس وقت مسلمانوں کی اکثریت دین پر عمل پیرا تھی اس وجہ سے اس کا زیادہ اثر مسلمانوں پر نہیں ہوا۔ اب نہ صرف حدیث کی حجیت سے انکار کیا جاتا ہے بلکہ اس کو برسر عام " جھوٹ کا موج دریا " بھی کہا جاتا ہے اور زیادہ تعجب اس امر پر ہے کہ ایسے منکرین حدیث کو " محی الدین " جیسے قابل قدر القاب سے بھی نوازا جاتا ہے

موضوع کی اہمیت:

قرآن کریم چونکہ مسلمانوں کے تشریعی احکام کا مصدر اول ہے اور کلام الٰہی بھی ہے اسی وجہ سے مسلمانوں کے نزدیک انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔یہی وجہ ہے کہ عہد نبوی سے عہد حاضر تک علمائے اسلام نے تشریح و توضیح قرآن کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی ہے۔یہی وجہ ہے کہ آیات قرآنی کا مفہوم تمام اہل اسلام میں ایک جیسا ہی سمجھا جاتا ہے۔ہاں اس کی تفسیر وتوضیح میں علماء نے اپنے اپنے مزاج کے مطابق مختلف راستوں کا انتخاب کیا ہے۔ لیکن کچھ لوگوں نے قرآن کے مفاہیم کو بدلنے کی کوشش کی تو اہل علم کی طرف سے ان کی بھرپور تردید کی گئی اور بدلے ہوئے مفاہیم امت مسلمہ میں بالکل مقبولیت حاصل نہیں کر سکے۔

زیر نظر مقالے میں اس امر پر زیادہ توجہ مرکوز کی جائے گی کہ استعماری تسلط نے کس طریقے سے مسلم افکار و نظریات کو بدلنے کی کوشش کی اور اس مقصد میں کس طرح "کالے انگریزوں" نے ان کا ساتھ نبھایا۔ لیکن اس پہلے تفسیر کی مختصر تاریخ بالخصوص عہد استعمار کے نامور مفسرین کے کارناموں کی ایک ہلکی سی جھلک پیش کی جائے گی تاکہ پس منظر کو سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ مضامین کی تقسیم یوں ہوگی۔

باب اول میں ان بنیادی مباحث کو جگہ دی گئی ہے جو زیر بحث موضوع کو سمجھنے کے لئے ناگزیر ہیں، مثلاً تفسیر کا معنی و مفہوم اور مفسر کے آداب و شرائط۔ مفسر کے آداب اور شرائط کو اس لئے شامل کیا گیا ہے کہ گمراہی اور بھٹکنے کی ایک بڑی وجہ ان ان آداب و شرائط سے روگردانی یا ناواقفیت ہوتی ہے۔

باب دوم میں عہد استعمار کے چند نامور مفسرین کے ذاتی حالات اور تعلیمی کوائف کو درج کیا گیا ہے تاکہ اس امر کا اندازہ لگایا جاسکے کہ مفسر کا پس منظر کس طریقے سے اس کی تفسیر پر اثرانداز ہوا ہے۔

استعماری تسلط نے اس پر اثرات مرتب کیے یا پھر اس مفسر نے ان کی تردید کی کاوشیں کیں۔

باب سوم تفسیری ادب پر استعماری تسلط کے مثبت اور منفی اثرات کا مختصراً تحقیقی جائزہ پیش ہے۔ مقالے کی ضخامت تفصیل کی اجات نہیں دے رہی تھی ورنہ ان میں سے ایک ایک موضوع پر پورا مقالہ مرتب کیا جاسکتا ہے۔

مقالے کا موضوع اپنی جگہ پر انتہائی اہمیت کا حامل ہے جیسے تفسیر کشاف کے حوالے سے امام البلقینی نے کہا کہ میں نے تفسیر کشاف میں سے اعتزال کو چن چن کر نکال دیا ہے اسی طرح عصر حاضر کی کئی ایک تفاسیر میں سے استعماری تسلط کے اثرات کو نکالنے کی ضرورت ہے جس کے لئے علم تفسیر میں کامل مہارت کی ضرورت ہے اور راقم اپنے آپ کو اس سے پوری طرح عہدہ برآ ہونے کے قابل نہیں سمجھتا پھر بھی اساتذہ کی حوصلہ افزائی ہے کہ راقم اس موضوع پر کچھ سطور لکھنے کی جرات کر رہا ہے۔

بہر حال اس سارے تحقیقی مطالعہ میں اگر کوئی افادیت و خوبی ہے تو وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور توفیق کے طفیل اور اساتذہ کی حوصلہ افزائی و رہنمائی کے سبب ہے۔اور جہاں کوئی خامی و نقص ہے تو وہ سراسر راقم کی اپنی کم علمی اور کم سمجھی کے باعث ہے۔

واللہ الموفق والمستعان

مسئلہ تحقیق:

استعماری تسلط نے تفسیری ادب پر کیا اثرات مرتب کیے؟

موضوع تحقیق کا فرئضہ:

۱۔ استعماری تسلط نے تفسیری ادب پر مثبت اثرات مرتب کیے۔

۲۔ استعماری تسلط نے تفسیری ادب پر منفی اثرات مرتب کیے۔

۳۔ استعماری تسلط نے تفسیری ادب پر مثبت اور منفی دونوں اثرات مرتب کیے۔

مقاصد تحقیق:

مقاصد تحقیق:

۱۔ حصول رضائے الٰہی

۲۔ موضوع سے متعلق پوری آگاہی

۳۔ تفسیری ادب پر استعماری تسلط کے مثبت اثرات کو واضح کرنا تاکہ ان سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔

۴۔ تفسیری ادب پر استعماری تسلط کے منفی اثرات کو واضح کرنا تاکہ ان سے بچا جا سکے۔

موضوع پر ہونے والا سابقہ کام:

☆ قرآن حکیم کے اردو تراجم، ڈاکٹر صالحہ عبد الحکیم شرف الدین نے مختلف ابواب میں ضمناً اس موضوع پر گفتگو کی ہے۔

☆ تفسیر سرسید احمد خان میں بھی جابجا موضوع سے متعلق تفسیری فوائد ملتے ہیں۔

☆ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے بھی اپنی تفسیر میں استعماری تسلط سے پیدا ہونے والے نظریات کی بھرپور تردید کی ہے اور جہاں تک اس موضوع پر تحقیقی کام ہونے کا تعلق تو اس ضمن میں میرے علم کے مطابق اردو میں اس موضوع پر کام نہیں ہوا۔

منہج تحقیق:

تحقیق کے دوران درج ذیل نکات کو اسلوب تحقیق کے طور پر اختیار کیا گیا ہے۔

۱۔ مقالہ کو ایک مقدمہ، تین ابواب اور نتائج مقالہ پر مختلف حصوں پر ترتیب دیا گیا ہے۔

۲۔ اصل مآخذوں سے استفادہ کیا جائے گیا۔اور انہی سے حوالہ دیا گیا ہے۔قرآن وسنت اور اصلی اسلامی مصادر سے اخذ کیا گیا ہے۔

۳۔ حوالہ جات ہر صفحہ کے نیچے دیئے گئے ہیں۔

۴۔ کوشش کی گئی ہے کہ مقالہ کی عبارت آسان اور بامحاورہ ہو۔

۵۔ حوالہ کے اندراج کے لیے پہلے کتاب کا نام پھر مصنف کا نام پر جلد پھر صفحہ اور آخری میں دوسری تفصیلات شہر ، ناشر ، سن اور طبع وغیرہ دی گئی ہیں۔

۶۔ صفحہ نمبر کے لیے ''ص'' کی علامت اور جلد کے لیے ''ج'' کی علامت اختیار کی گئی ہے۔

۷۔ ایک صفحہ پر ایک کتاب کا دوبار حوالہ آنے پر ایضاً کی علامت اختیار کی گئی ہے۔

۸۔ سن ہجری کے لیے ''ھ''۔

۹۔ سن عیسوی کے لیے ''ئ''۔

۱۰۔ قرآن مجید کے حوالوں میں سورۃ کے ساتھ آیت نمبر کا حوالہ دیا گیا ہے۔مثلاً سورۃ البقرۃ: ۵۔

۱۱۔ مقالہ کے آخر میں نتائج پیش کیے گئے ہیں۔

۱۲۔ آخر میں مصادر ومراجع درج کیے گئے ہیں۔

۱۳۔ مقالہ میں موجود تمام آیات کی فہرست بھی آخر میں دی گئی ہے۔

فہرست مضامین وابواب

باب اول

علم تفسیر... بنیادی مباحث

1-15

باب دوم

عہد استعمار کے نامور مفسرین

باب سوم

چند اسلامی مفسرین پر عہد استعمار کے اثرات

تفسیری ادب پر استعماری تسلط کے مثبت اثرات

باب اوّل

علم تفسیر... بنیادی مباحث

تفسیر کا معنی و مفہوم

تفسیر کا اصطلاحی مفہوم

تاویل کا معنی و مفہوم

علم التفسیر کی اہمیت و ضرورت

مفسر کے آداب و شرائط

مفسر کی شرائط

مفسر کے آداب

تفسیر کا معنی و مفہوم

لغوی لحاظ سے لفظ تفسیر باب تفعیل سے ہے اس کا مادہ، ف س ر، ہے اور مجرد میں یہ باب نصر اور ضرب سے استعمال ہوتا ہے۔ تفسیر کا مفہوم ہے کسی لفظ کے مفہوم کو واضح کرنا، کسی چھپی یا ڈھکی چیز کو ظاہر کرنا وغیرہ

لسان العرب میں ہے الفسر کشف المغطی یعنی ڈھکی ہوئی چیز کو ظاہر کرنا اور تفسیر کشف المراد عن اللفظ المشکل یعنی مشکل لفظ کی مراد کو واضح کرنا[1]

یہ لفظ قرآن کریم میں بھی قریب قریب اسی مفہوم میں وارد ہوا ہے اللہ تعالی کا فرمان ہے

وَلَا يَأْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا (الفرقان ۳۳)

اور نہیں لاتے تیرے پاس کوئی مثل کہ ہم نہیں پہنچا دیتے تجھ کو ٹھیک بات اور اس سے بہتر کھول کر۔[2]

اس آیت کے الفاظ ''احسن تفسیرا'' کا معنی ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔[3]

شروع میں ذکر ہوا کہ لفظ تفسیر کا مادہ فسر ہے جبکہ کچھ علما اسے سفر سے مقلوب قرار دیتے ہیں یعنی سفر میں جو س تھی وہ ف کے بعد آ گئی اور اس طرح یہ لفظ سفر سے فسر بن گیا۔ سفر کا معنی بھی کشف یعنی کھولنا ہے۔ جب کوئی عورت اپنے چہرے سے نقاب الٹ دے تو عرب کہتے ہیں سفرت المرأۃ سفورا وھی سافرۃ یعنی عورت بے پردہ ہو گئی اسی طرح کہا جاتا ہے اسفر الصبح یعنی صبح روشن ہو گئی۔

---

[1] ۔ مباحث فی علوم القرآن، مناع القطان، ص 417، مکتبہ محمدیہ، اردو بازار، لاہور۔ طبع اول 2009

[2] ۔ ترجمہ و تفسیر عثمانی، مولانا محمود الحسن و علامہ شبیر احمد عثمانی، شاہ فہد پرنٹنگ کمپلیکس، 1989

[3] ۔ مباحث فی علوم القرآن، مناع القطان، ص 417

لیکن روح المعانی کے مصنف اس کو سفر سے مقلوب ماننے پر تیار نہیں وہ کہتے ہیں کہ اس کو کوئی معقول وجہ موجود نہیں ہے [4]

امام راغب اصفہانی اس حوالے سے مزید لکھتے ہیں کہ جس طرح فسر اور سفر کے الفاظ ایک دوسرے کے قریب ہیں اسی طرح ان کے معنی بھی قریب قریب ہیں اور ان میں تھوڑا بہت فرق پایا جاتا ہے فسر کا لفظ مناسب معنی کے اظہار کے لئے بولا جاتا ہے جبکہ سفر مادی چیز کو ظاہر کرنے کے لئے بولا جاتا ہے۔ [5]

بہر حال مادہ کوئی بھی ہو اس کو باب تفعیل سے لانے کا مقصد کثرت اور مبالغے کو بیان کرنا ہے جیسے قرآن کریم میں ارشاد باری ہے

يُذَبِّحُونَ اَبْنَآءَكُمْ (البقرہ ۴۹)

تمہارے بیٹوں کو تو قتل کر ڈالتے تھے [6]

اسی طرح ارشاد باری ہے

وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ (یوسف ۲۳)

اور دروازے بند کر لیے [7]

<u>تفسیر کا اصطلاحی مفہوم</u>

علم تفسیر کی اصطلاح تعریف ابو حیان نے یوں کی ہے

---

[4] مقدمہ تفسیر روح المعانی، سید محمود آلوسی، ص 4-5، مکتبہ امدادیہ، ملتان، پاکستان۔ طبع و سن ندارد

[5] مباحث فی علوم القرآن، مناع القطان، ص 417

[6] ترجمہ فتح الحمید، مولانا فتح محمد جالندھری، تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور۔ طبع ۲۰۰۴

[7] ترجمہ مولانا احمد علی لاہوری، انجمن خدام الدین، شیر انوالہ گیٹ، لاہور طبع ۱۹۸۰

علم يبحث فيه عن كيفية النطق بالفاظ القرآن ومدلولاتها واحكامها الافرادية والتركيبية ومعانيها التي تحمل عليها حالة التركيب وتتمات لذلک۔[8]

تفسیر وہ علم ہے جس میں قرآن کریم کے الفاظ بولنے کی کیفیت، ان کے مفہوم، ان کے انفرادی اور ترکیبی احکام، ان کی ترکیبی حالت کے معانی اوران سے متعلقہ تتمات سے بحث کی جائے۔

پھر وہ اس تعریف کی مزید وضاحت کرتے ہیں:

علم	علم سے ہر قسم کا علم مراد ہے
يبحث فيه عن كيفية النطق بالفاظ القرآن	الفاظ قرآنکی منطوق کیفیت سے علم القرآت مراد ہے
ومدلولاتها	الفاظ کے مدلولات سے علم اللغت سے تعلق کو ظاہر کرنا مقصود ہے
واحكامها الافرادية والتركيبية	الفاظ کے انفرادی اور ترکیبی احکامات سے صرف، اعراب، بدیع [illegible] بیان سے نسبت کو ظاہر کرنا مقصود ہے
ومعانيها التي تحمل عليها حالة التركيب	حالت ترکیبی میں ان کے معانی سے یہ وضاحت مقصود ہے کہ ان [illegible] حقیقی اور مجازی دلالت کیا ہے
وتتمات لذلک۔	اور تفسیر کے تتمات سے ناسخ ومنسوخ اور اسباب نزول وغیرہ مراد ہیں۔

جبکہ علامہ زرکشی برھان میں لکھتے ہیں:

وفي الاصطلاح: هو علم نزول الآية وسورتها وأقاصيصها، والإشارات النازلة فيها، ثم ترتيب مكّيها ومدنيها، ومحكمها ومتشابهها، وناسخها ومنسوخها، وخاصها وعامّها، ومطلقها ومقيّدها، ومجملها ومفسّرها[9].

---

[8] مباحث فی علوم القرآن، مناع القطان، ص 419

[9] ایضاً

اصطلاحی طور پر تفسیر اس امر کا نام ہے کہ قرآن کریم کی آیات اور سورتوں کے نزول، ان میں نازل کردہ اشارات، سورتوں کی مدنی ترتیب، آیات میں سے محکم اور متشابہ، ناسخ و منسوخ، خاص و عام، مطلق اور مقید اور مجمل و مفسر کا علم حاصل کیا جائے۔

جبکہ کچھ علما اس میں درج ذیل امور کا اضافہ کرتے ہیں

وزاد فيها قوم فقالوا: علم حلالها وحرامها، ووعدها ووعيدها، وأمرها ونهيها، وعبرها وأمثالها:

کہ قرآن کریم کے حلال و حرام، وعدہ و وعید، امر و نہی اور امثال و عبرت کا جاننا بھی علم تفسیر کے بنیادی وظائف میں شامل ہے۔

اسی طرح زرقانی نے اس میں انسانی قدرت کی بھی قید لگائی ہے یعنی کلام باری تعالیٰ کی وضاحت انسانی قدرت کے بقدر[10]

تفسیر کے ساتھ ساتھ ایک لفظ تاویل بھی کتب تفسیر میں برابر جگہ پاتا ہے جس کے معنی و مفہوم کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

تاویل کا معنی و مفہوم

جبکہ تفسیر کے ساتھ ایک اور لفظ بولا جاتا ہے تاویل کا، اس حوالے سے امام زرکشی لکھتے ہیں

وأما التأويل فأصله في اللغة من الأول، ومعنى قولهم: ما تأويل هذا الكلام؟ أي إلى ما تؤول العاقبة في المراد به

یعنی تاویل کی اصل الأول ہے جس کا معنی ہے انجام اور نتیجہ وغیرہ جیسے کہا جاتا ہے ما تأويل هذا الكلام؟ کہ اس کلام کا انجام کار کیا مراد ہے؟

یہ لفظ قرآن کریم میں بھی وارد ہوا ہے۔ ارشاد باری ہے

يَوْمَ يَأْتِي تَأْوِيلُهُ (الأعراف:۵۳)

جس روز اس کا اخیر نتیجہ پہنچ آئے گا[11]

اس کے علاوہ سورہ کہف کی آیت نمبر ۸۲ میں بھی یہ لفظ قریب قریب اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

---

[10] مناھل العرفان، بحوالہ التبیان فی علوم القرآن، محمد علی صابونی، ص90، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور۔ ط ن، س ن۔

[11] تفہیم القرآن، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور۔ طبع پنجم، 1980

اس حوالے سے مناع القطان لکھتے ہیں :

تاویل الکلام سے وہ مفہوم مراد ہے جو متکلم نے چاہا ہو، جس معنی کی طرف کلام لوٹتا ہو اور کلام صرف یہی حقیقت [illegible] مقصود ہوتی ہے کی طرف لوٹتا ہے[12]

تاویل کے اصطلاحی مفہوم کے حوالے سے متقدمین اور متاخرین میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ [illegible] فریقین کے نقطہ ہائے نظر کو مختصراً درج کیا جاتا ہے۔ متقدمین کے ہاں تفسیر اور تاویل دو مترادف معنیٰ الفاظ ہیں۔ [illegible] کلام کی وضاحت اور تشریح کے لئے بولے جاتے ہیں اور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو دعا دی [illegible] اس میں بھی لفظ تاویل کا ہے لیکن معنی تفسیر والا مترشح ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کے الفاظ ہیں اللهم فقه في الدين وعلمه التاويل یہاں تاویل سے مراد تفسیر ہے۔ اسی طرح امام طبری جب اپنی تفسیر میں کہتے ہیں القول في قوله تعالى كذا وكذا [illegible] اس سے تفسیر ہی مراد ہوتی ہے۔ اسی طرح جب وہ کہتے ہیں اختلف اهل التاويل في هذه الآية تو بھی یہی مقصد ہوتا ہے۔ [illegible] فارس کہتے ہیں کہ عبارات کے معانی جن طریقوں سے تعبیر کئے جاتے ہیں وہ تین ہیں۔ معنی، تفسیر اور تاویل [illegible] اگرچہ مختلف ہیں لیکن ان کا مقصود تقریباً ایک ہی ہوتا ہے۔[13]

لیکن بعد میں آنے والے اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ دونوں لفظ الگ الگ معنی و مفہوم رکھتے ہیں [illegible] متعین کرنے میں سب مختلف ہیں کچھ حضرات کے بقول لفظی وضاحت اور تاویل اس معنی کے خارجی وقوع [illegible] ہے۔ دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ تفسیر الفاظ اور مفردات کی وضاحت کو کہا جاتا ہے جبکہ تاویل جملوں کے معانی کی وضاحت [illegible] تشریح کو کہا جاتا ہے لیکن یہ قول مفسرین کے فعل سے ٹکراؤ کھاتا ہے کیونکہ تمام مفسرین نے ہر قسم کی وضاحت [illegible] نام دیا ہے۔ اس حوالے سے ایک عمومی بات یہ کہی جاتی ہے کہ قرآن کی وضاحت کتاب و سنت کے ساتھ تفسیر کہلاتی ہے [illegible] علما کے استنباط سے قرآن کی تفسیر کو تاویل کہا جاتا ہے۔ اتقان میں ہے

التفسير ما يتعلق بالرواية والتاويل ما يتعلق بالدراية[14]

یعنی تفسیر کا تعلق روایت جبکہ تاویل کا تعلق درایت کے ساتھ ہے۔

---

[12] مباحث فی علوم القرآن، مناع القطان، ص 420

[13] ایضاً، ص 423،

[14] ایضاً، ص 419

علم التفسیر کی اہمیت وضرورت

ارشاد باری ہے

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمۡ (سورہ ابراہیم)

اور کوئی رسول نہیں بھیجا ہم نے مگر بولی بولنے والا اپنی قوم کی تاکہ ان کو سمجھائے [15]

اس ضابطے کے لحاظ سے تمام کتب سماویہ متعلقہ اقوام کی زبانوں میں ہی نازل کی گئی تھیں کیونکہ دین اور تعلیم کا بنیادی ہدف انسانوں کو سمجھانے کا ہے اور وہ مادری زبان سے زیادہ کسی اور زبان سے حاصل نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے بھی کئی جگہ اپنے عربی ہونے کا واضح اعلان کیا ہے ارشاد باری ہے

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيۡنٍ (الشعراء ۱۹۵)

صاف صاف عربی زبان میں۔ [16]

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا قرآن صرف عرب کی ہدایت کے لئے اتارا گیا ہے؟ اور کیا یہ سرچشمہ ہدیت ایک مخصوص نسل کے لوگوں کے لئے رہنمائی کے فرائض سرانجام دے گا؟ یا یہ کتاب عرب و عجم اور پہلے اور بعد والے تمام انسانوں کے لئے اتاری گئی ہے؟ اس حوالے سے قرآن کریم کا موقف انتہائی واضح ہے اور وہ کئی ایک جگہ پر اپنے ابدی اور عالمی ہونے کا اعتراف کرتا ہے

یہاں دوسرا سوال پیدا ہوگا کہ جب قرآن عربی ہے تو تمام دنیا کے لوگ اس سے فائدہ کیسے اٹھا سکتے ہیں تو اس کے دو طریقے اسلامی تاریخ میں رائج رہے ہیں صدر اول میں غیر عربی لوگ عربی سیکھ کر قرآن کو سمجھا کرتے تھے لیکن بعد والے زمانوں میں مسلمانوں کا تعلق عربی سے کمزور ہوا تو علما نے قرآن کو عجمی زبانوں میں منتقل کیا۔ عجمی زبانوں میں انتقال کے د

15۔ ترجمہ وتفسیر عثمانی، مولانا محمود الحسن وعلامہ شبیر احمد عثمانی، ص425

۱۶ تفہیم القرآن، سید ابوالاعلی مودودی، ج4، ص172

طریقے تھے ایک تو ترجمہ کے ذریعے اور دوسرا تفسیر کے ذریعے اور بعض لوگوں نے دونوں کو جمع بھی کیا۔ اور اس طریقے سے عجمی زبانوں میں تفسیر اور ترجمہ کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہوئی

لیکن تفسیر قرآن کی ضرورت صرف غیر عرب لوگوں کے لئے ہی نہیں بلکہ عربی میں مہارت رکھنے والے افراد کو بھی تفسیر قرآن کی ضرورت ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ صحابہ کرام کو بھی تفسیر قرآن کی ضرورت پڑی ہے جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت وَكُلُواْ وَٱشۡرَبُواْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ ٱلۡخَيۡطُ ٱلۡأَبۡيَضُ مِنَ ٱلۡخَيۡطِ ٱلۡأَسۡوَدِ مِنَ ٱلۡفَجۡرِۖ ثُمَّ أَتِمُّواْ ٱلصِّيَامَ إِلَى ٱلَّيۡلِ[17] سے ظاہر ہے۔ دراصل کچھ صحابہ نے دھاگوں سے حقیقی دھاگے سمجھ کر رکھ لئے۔ ان میں سے کچھ نے تو پاؤں پر باندھ لئے اور کچھ نے تکیے کے نیچے رکھ لئے اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی کو ارشاد فرمایا کہ پھر تو تمہارا تکیہ بہت بڑا ہے کہ اس میں مشرق و مغرب سما جاتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں امام ابن کثیر رقمطراز ہیں:

أباح تعالى الأكل والشرب مع ما تقدم من إباحة الجماع في أي الليل شاء الصائم إلى أن يتبين ضياء الصباح من سواد الليل، وعبر عن ذلك بالخيط الأبيض من الخيط الأسود، ورفع اللبس بقوله: { مِنَ ٱلۡفَجۡرِ }[18] كما جاء في الحديث الذي رواه الإمام أبو عبد الله البخاري:

حدثني ابن أبي مريم، حدثنا أبو غسان محمد بن مطرف، حدثنا أبو حازم عن سهل بن سعد، قال: أنزلت { وَكُلُواْ وَٱشۡرَبُواْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ ٱلۡخَيۡطُ ٱلۡأَبۡيَضُ مِنَ ٱلۡخَيۡطِ ٱلۡأَسۡوَدِ } ولم ينزل: { مِنَ ٱلۡفَجۡرِ } وكان رجال إذا أرادوا الصوم، ربط أحدهم في رجليه الخيط الأبيض والخيط الأسود، فلا يزال يأكل حتى يتبين له رؤيتهما، فأنزل الله بعد: { مِنَ ٱلۡفَجۡرِ } فعلموا أنه يعني: الليل والنهار. الآية تحتها، فإنهما بياض النهار وسواد الليل، فيقتضي أن يكون بعرض المشرق والمغرب.

اللہ تعالی نے کھانے پینے کو صبح تک کے لئے جائز قرار دے دیا اور صبح کے لفظ کو خیط اسود اور خیط ابیض سے تعبیر فرمایا۔ سھل بن سعد فرماتے ہیں کہ پہلے آیت کا صرف یہ حصہ ہی نازل ہوا تھا

---

[17] بقرہ187

[18] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد دوم، ص245، مکتبہ قرآن وحدیث، ملتان

وَكُلُواْ وَٱشْرَبُواْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ ٱلْخَيْطُ ٱلْأَبْيَضُ مِنَ ٱلْخَيْطِ ٱلْأَسْوَدِ

من الفجر کے الفاظ نازل نہیں ہوئے تھے۔ تو کچھ لوگوں نے اپنے پاؤں میں دھاگے باندھ کر ان میں فرق ہونے تک سحری کرتے رہتے جس پر من الفجر کے الفاظ نازل ہوئے

صحابہ کرام تفسیر سے متعلق درپیش کسی بھی مسئلے میں نبی کریم ﷺ سے رجوع کرلیا کرتے تھے جیسا کہ متصل سابقہ سطور میں گزرا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم فرمایا

ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ (القیمۃ ۱۹)

پھر اس کا مطلب سمجھا دینا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔[19]

امام ابن کثیرؒ آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

تبیین حلاله وحرامه، وكذا قال قتادة۔

یعنی ہم اس قرآن کے حلال و حرام کو بیان کریں گے۔ یہی فرمایا ہے قتادہ نے۔

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں مفتی محمد شفیعؒ رقم طراز ہیں:

"اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ یہ فکر بھی اپنے اوپر نہ رکھیں کہ نازل شدہ آیات کا صحیح مفہوم اور مراد کیا ہے؟ اس کا بتلانا سمجھا دینا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔ ہم قرآن کے ہر ہر لفظ اور اُس کی مراد کو آپ پر واضح کر دیں گے۔"[21]

---

[19] تفہیم القرآن، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ج 6، ص 245

[20] مباحث فی علوم القرآن، مناع القطان، ص 425،

جس کام کا ذمہ خود اللہ تعالی نے لیا ہو اس کی اہمیت اور فضیلت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

مفسر کے آداب و شرائط

دنیا میں کسی بھی چھوٹے سے چھوٹے کام کو کرنے کے لئے کچھ صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے لوہار سنار کا کام نہیں کر سکتا اور ایک طبیب کو لوہے کے کام سے واقفیت نہیں ہوتی۔ علم تفسیر جو اتنا اہم ہے اس کو بھی کسی ایرے غیرے نتھو خیرے کے حوالے نہیں کیا جا سکتا کہ وہ قرآن کریم کی وضاحت و تشریح اپنی من مرضی کرتا رہے۔ اس کے بھی کچھ قواعد اور اصول ہیں جن کو سیکھنے کے بعد ہی اس حوالے سے کچھ قدم اٹھایا جا سکتا ہے۔ مناع القطان لکھتے ہیں:

"صاف ستھری علمی بحث ہی بہترین معرفت کی وہ بنیاد ہے جس سے طالب علم فائدہ حاصل کرتے ہیں اور اس کے نتائج فکری غذا اور عقل و شعور میں اضافے کیلئے بہترین خوراک ثابت ہوتے ہیں؛ اس لئے ان اسباب کا کسی جماعت اور محقق کیلئے مہیا ہو جانا ایسا معاملہ ہے کہ جس کی بنا پر بہتر نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔ شرعی علوم میں بحث کرنے کیلئے عمومی طور پر اور تفسیر میں خاص طور پر یہ معاملہ اہمیت کا حامل ہے جس کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے اور اس کے شرائط اور آداب سے آگاہی لازمی امر ہے تاکہ وہ ایک صاف ستھرے راستے پر گامزن رہے اور وحی کے جمال اور خوبصورتی کی حفاظت ہو سکے۔"[22]

ذیل میں مناع القطان کی معروف کتاب سے مفسر کے آداب اور شرائط کا ذکر ہے جن کا جاننا ایک مفسر کے لئے ضروری ہے تاکہ کلام اللہ کی تفسیر میں سہواً یا عمداً کوئی غلطی نہ ہو۔

I۔ مفسر کی شرائط

اہل علم میں مفسر کیلئے جن شرائط کا ذکر کیا ہے انہیں ہم اجمالی طور پر بیان کرتے ہیں۔

ا۔ صحیح عقیدہ۔ عقیدے پر ہر انسان کا گہرا اثر ہوتا ہے، حتیٰ کہ بعض لوگ صرف عقیدے کی وجہ سے نصوص میں تحریف کے مرتکب ہوتے ہیں

---

[21] معارف القرآن، مفتی محمد شفیع، ص 322، جلد 7، ادارۃ المعارف، کراچی، طبع جدید 2001

[22] مباحث فی علوم القرآن، مناع القطان، ص 425

۲۔ خواہشات سے اجتناب۔ خواہشات انسان کو اپنے مذہب کی حمایت پر اکساتی ہیں' چنانچہ وہ لوگوں کو نرم کلام و خوش الحانی سے دھوکا دیتا ہے جیسے کہ قدری، رافضی اور معتزلی حضرات کی عادت ہے یا پھر وہ لوگ جو اپنے مذہب میں نہایت متشدد ہوتے ہیں۔

۳۔ قرآن کریم کی تفسیر قرآن سے کی جائے کیونکہ اگر قرآنکریم میں سے کسی بات کو ایک جگہ اجمالی طور پر ذکر کیا گیا ہے تو دوسری جگہ پر اسے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، اسی طرح اگر کسی جگہ اختصار سے کام لیا گیا ہے تو دوسری جگہ مفصل بیان کیا گیا ہے۔

۴۔ سنت سے تفسیر تلاش کی جائے۔ کیونکہ سنت قرآن کریم کی شرح اور وضاحت ہے اور قرآن کریم نے اس بات کا خوب اچھی طرح ذکر کیا ہے کہ رسول پاک کے جاری کردہ تمام احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ رسول پاک کے تمام احکامات فہم قرآن سے ماخوذ ہیں قرآن کریم میں اس کی بہت ساری مثالیں موجود ہیں جن کو علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب الاتقان کی آخری فصل میں سورتوں کیساتھ مرتب فرمایا ہے جیسے راستے کی تفسیر زاد راہ اور سواری ہے۔ ظلم کی تفسیر شرک اور حساب یسیر کی تفسیر صرف اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے۔ وغیرہ[23]

۵۔ اقوال صحابہ۔ جب سنت سے تفسیر نہ ملے تو پھر اقوال صحابہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے

۶۔ اقوال التابعین۔ جب قرآن کریم کی تفسیر نہ تو قرآن کریم سے ممکن ہو، نہ ہی سنت سے اور نہ ہی اقوال صحابہ تو بہت سارے اہل علم تابعین کے اقوال کی طرف رجوع کرتے

۷۔ عربی لغت اور اس کا فروغ کا علم۔ کیونکہ قرآنکریم عربی زبان میں نازل ہوا ہے اس لیے اس کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ عربی زبان کے مفرد الفاظ کی شرح اور ان کے مفہوم کو وضعی اعتبار سے سمجھا جائے۔

---

[۲۳] بحوالہ مباحث فی علوم القرآن، مناع القطان، ص436

۸۔ قرآن کریم سے ملحقہ علوم کے اصولوں سے واقفیت کا ہونا۔ جیسے علم قرآت سے واقفیت کیونکہ اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ بولنے کی واقفیت ہوتی ہے اور اس کے علاوہ بعض مفاہیم کو بعض پر ترجیح دینے کے اسباب بھی معلوم ہوتے ہیں۔

۹۔ اسی طرح علم التوحید سے واقف ہونا ضروری ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے بارے میں جو آیات کتاب اللہ میں مذکور ہیں ان کی تاویل کرتے ہوئے راہ حق سے بھٹکنے نہ پائے۔

۱۰۔ علم الاصول خاص طور پر اصول تفسیر سے واقفیت لازمی امر ہے اور ان امور میں خوب گہرا علم ہونا ضروری ہے جیسے اسباب نزول، ناسخ اور منسوخ کی معرفت وغیرہ کیونکہ ان کے بغیر معنی واضح نہ ہوگا اور مفہوم بھی درست نہ ہوگا۔

۱۱۔ فہم میں پختگی۔ کیونکہ اس سے مفسر میں یہ صلاحیت پیدا ہوتی ہے کہ وہ ایک معنی کو دوسرے پر ترجیح دے سکتا ہے یا پھر وہ ایسے مفہوم کا استنباط کر سکتا ہے جو کہ شرعی نصوص کے موافق ہو۔

II۔ مفسر کے آداب

۱۔ نیت اور مقصد کا درست ہونا۔ کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر

۲۔ عمدہ اخلاق۔ قرآن کریم کے مفسر کیلئے ضروری ہے کہ وہ بہت ہی مئودب ہو

۳۔ عمل اور امتثال۔ اہل علم کا عمل علمی رفعتوں اور دقیق مباحث کے برعکس زیادہ قبولیت حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح مفسر بہترین سیرت کی بدولت اپنے پیش کردہ دینی مسائل میں بہترین نمونہ بن جاتا ہے، جبکہ اکثر لوگ ایسے عالم سے علم حاصل کرنے سے گریز کرتے ہیں جو خود عامل نہ ہو، نہ ہی اس کا سلوک درست ہو، اگرچہ وہ علمی لحاظ سے اپنا ثانی نہ رکھتا ہو۔

۴۔ کسی بات کو نقل کرنے میں سچائی اور ضبط کا اہتمام۔ مفسر کیلئے ضروری ہے کہ وہ بغیر تحقیق کے کوئی کلام نہ کرے اور نہ ہی لکھے اس طرح وہ تصحیف اور غلطی سے محفوظ رہے گا۔

۵۔ نرمی اور انکساری۔ کیونکہ سختی عالم اور اس کے علم سے فائدہ اٹھانے میں بہت بڑی رکاوٹ ثابت ہوتی ہے۔

٦۔ عزت نفس۔ مفسر اور عالم کیلئے ضروری ہے کہ ہلکے پن کا مظاہرہ نہ کرے وہ اقتدار کی چوکھٹ پر گدا گر بن کر نہ بیٹھے۔

۷۔ حق کو ظاہر کرنا۔ کیونکہ کسی ظالم کے سامنے حق بات کہنا بہترین جہاد ہے۔

۸۔ اچھی شہرت۔ مفسر کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنی عمومی حالت، اُٹھنے بیٹھنے، گفتار اور چال میں باوقار اور بارعب ہو اور کسی تکلف کا مظاہرہ نہ کرے۔

۹۔ انداز گفتگو میں سلیقہ۔ کلام کو بغیر توقف کے بیان نہ کیا جائے بلکہ اسے جدا جدا جملوں میں ادا کیا جائے اور حروف کے مخارج کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔(اسکا تعلق صرف کلام سے ہو سکتا ہے کتابت سے نہیں)

یہ اہم آداب اور شرائط ہیں جن کا ذکر کیا گیا ان میں یقیناً کمی بیشی کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ لیکن بنیادی چیز تقوی اور خوف خدا ہے جو انسان کو پھسلنے اور بھٹکنے سے محفوظ رکھتے ہیں۔

باب دوم

عہد استعمار کے چند نامور مفسرین

- ⇦ سر سید احمد خان
- ⇦ ڈپٹی نذیر احمد
- ⇦ مولانا محمود الحسن
- ⇦ مولانا ثناء اللہ امر تسری
- ⇦ صوفی عبدالحمید خان سواتی

باب ھذا میں مذکور مفسرین کے انتخاب کی وجہ

اس باب میں عہد استعمار کے چند نامور مفسرین کا بلحاظ ترتیب

زمانی ذکر ہے۔ مفسرین کے مختصر حالات اور کوائف کو بیان کیا گیا ہے تاکہ یہ امر واضح ہو جائے کا ان حضرات کا پس منظر کس طرح سے ان کی تفاسیر پر اثر انداز ہوا ہے۔

پھر ہر اسلوب کی ایک نمائندہ تفسیر کو لیا گیا ہے تاکہ زیادہ طوالت نہ ہو۔ مثلاً سر سید احمد خان عقل پرستوں کے نمائندہ ہیں۔ مولانا آزاد جمال فطرت کے ترجمان ہیں۔ مولانا محمود الحسن قدیم اہل علم کے طرز فکر کے پیروکار ہیں۔ جبکہ مولانا ثناءاللہ امرتسری عہد استعمار کے امام المناظرین ہیں۔ اسی طرح صوفی عبد الحمید خان نے اپنے دروس کا رنگ جمایا

1۔ سر سید احمد خان

سر سید احمد خاں ۱۲۳۲ھ مطابق 1817 میں دھلی کے ایک تعلیم یافتہ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ پرانے مذہبی انداز کے مطابق گھر پر تعلیم دی گئی، پہلے تو ایک کلرک کی حیثیت سے ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازم ہوئے پھر ترقی کرتے کرتے سب جج کے عہدے پر فائز ہو گئے۔ فتح پور سیکری، دھلی، بجنور، مراد آباد، غازی پور، علیگڑھ اور بنارس میں جج کے منصب پر رہے۔ صحافت اور ادب سے دلچسپی تھی۔ ۱۸۳۳ میں اپنے بھائی سید محمد کے ساتھ دھلی سے ،سید الاخبار، جاری کیا۔ ۱۸۵۷ تک طرز نگارش قدیم تھا اس کے بعد پرانی نثر کا انداز بدل کر جدید طرز اختیار کیا۔ ۱۸۷۰ میں رسالہ تہذیب الاخلاق جاری کیا۔[24]

اس پرچے کے حوالے سے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ :

"تہذیب الاخلاق کا ظاہراً اور فوری اثر یوں تو مذہبی طبقہ پر پڑتا ہوا دکھائی دیا لیکن دراصل اردو زبان اور ادب کی خدمت واصلاح اس کا وہ اہم عنصر ہے جو اس کی ہر تحریر میں مضمر تھا۔ اور جو اس وقت تک باقی رہے گا جب تک خود اردو

---

[24] ماخوذ از حیات جاوید، مولانا الطاف حسین حالی، حصہ اول، ص 35، مفید عام پریس، آگرہ، سن ندارد

زبان دنیا میں باقی رہے گی۔ سرسید کے دوستوں اور طرف داروں کے کارناموں کے علاوہ، ان کے مخالفوں اور بدخواہوں نے نادانستہ طور پر اسی رسالہ (تہذیب الاخلاق) کی تقلید میں کئی پرچے اس کے جواب میں لکھے اور لطف یہ کہ ان میں اسی قسم کی زبان استعمال کی گئی جیسی کہ تہذیب الاخلاق میں سرسید نے استعمال کی تھی۔ اس طرح اردو انشاپرداز غیر ارادی طور پر سادہ نگاری کی طرف مائل ہو گئے اور انہیں محسوس بھی نہیں ہوا کہ ہم اپنی قدیم ڈگر سے ہٹ کر چل رہے ہیں۔ چنانچہ چند ہی سال کے عرصے میں اردو زبان میں سادہ اور بے تکلف نثر کا اتنا ذخیرہ اور نثر نگاروں کی اس قدر فراوانی ہو گئی کہ اگر اس کے متعلق باضابطہ طور پر تعلیم دی جاتی یا اہل ملک کو اس طرف بار بار متوجہ کرایا جاتا تو نصف صدی سے کم میں اس قدر کامیابی قطعی ناممکن تھی۔ سرسید کی یہ غیر معمولی کامیابی ایک معجزہ سے کم حیثیت نہیں رکھتی۔ "[25]

لیکن یہ وہ لوگ ہیں جن کی سوچ کے دھارے علی گڑھ سے نکلتے اور واپس علی گڑھ کی طرف لوٹتے ہیں۔ اور پھر علی گڑھ آخری منزل نہیں بلکہ یہ تو محض ایک راستہ ہے انگلستان کو جانے کا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ پہلے مسلمانوں کو عربی اور فارسی زبان سے کاٹا گیا جب ان کو عربی فارسی کے الفاظ کی سمجھ آنا مشکل ہو گئی تو پھر "سادہ اور بے تکلف نثر" کا ڈھول پوری شدت کے ساتھ بجایا گیا۔ اس کارنامے کی تعریف کے زیادہ مستحق تو انگریز سرکار ہے۔

۱۸۶۹ میں سر سید احمد خاں انگلستان گئے وہاں انہوں نے طریقہ تعلیم کا مطالعہ کیا۔ اپنے وطن واپس لوٹنے پر انگریزی طرز پر اسکول قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا اور ۱۸۷۵ میں "علی گڑھ اسکول" کا قیام وجود میں آیا، ترقی کر کے دو سال کے عرصے میں اس سکول نے "محمڈن اینگلو اورینٹل کالج" کی شکل اختیار کر لی۔ اس سے منسلک علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ پریس تھا اور علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گیزیٹ بھی نکلتا تھا۔ بعد میں اس کا نام "علی گڑھ کالج" پڑا جو ان کے انتقال کے بعد ۱۹۲۰ میں "مسلم علی گڑھ یونیورسٹی بن گیا۔ ۱۸۸۶ میں "محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس" کی بنیاد رکھی۔[26]

---

[۲۵] اردو کے اسالیب بیان، ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور، صفحہ ۷۳، مفید عام پریس، آگرہ، طبع ۱۹۷۴

[۲۶] حیات جاوید، حصہ اول، ص 45

سر سید پر عہد استعمار کے اثرات

سر سید کے مخالفین کی فہرست بہت طویل ہے۔ خصوصاً جب سر سید احمد خاں نے قرآن حکیم کا ترجمہ اور تفسیر لکھنی شروع کی تو مخالفت نے بڑا زور پکڑا قرآن کا ترجمہ اور تفسیر 1879 سے 1891 تک وقتاً فوقتاً طبع ہوتی رہیں۔ یہ چھ جلدوں پر مشتمل ہے اور ابتداء سورۃ الفاتحہ سے سورۃ بنی اسرائیل کا ترجمہ اور تفسیر ہے، ان کے انتقال کے بعد ساتویں جلد سورۃ الکھف سے سورۃ طہٰ تک شائع ہوئی۔ ان کے سخت ناقدین میں سید ناصر الدین محمد ابو المنصور، محمد علی اور مولانا عبد الحق حقانی صاحب تھے۔[27] مولانا عبد الحق حقانی نے اپنے قرآن کے ترجمے میں سر سید کی تفسیر اور دوسرے دینی مقامات کے ایک ایک نکتے کو سامنے رکھ کر اس کا جواب دیا ہے۔ مندرجہ ذیل اقتباس تفسیر حقانی سے ماخوذ ہے۔

> "وقولہ (یعنی قول سر سید) غرض کہ تمام محققین اس بات کے قائل ہیں کہ انہیں قویٰ کو جو انسان میں ہیں اور جن کو نفس امارہ یا قویٰ بہیمہ سے تعبیر کرنے میں بھی شیطان ہے۔ اقول (یعنی قول مولانا حقانی) تمام محققین سے آپ کی مراد حقہ پینے والے ہونگے ورنہ اھل تحقیق تو کیا ذرا سی عقل والے بھی ایسی بے اصل بات نہ کہیں گے پھر ایسی ہی بے بنیاد بات پر ہو غل تھا کہ تہذیب الاخلاق کے کئی پرچے اس بارے میں سیاہ کر دیے اور تفسیر القرآن کو انہیں مضامین سے بھر دیا جناب عالی یہ تو آپ کا پرانا خیال راسخ ہے آپ اس غلطی سے کاہے کو باز آئیں گے، آپ کو (سر سید کو) بہار چند چیزوں کا شکار ہے:

ذیل میں سر سید کی چند ایک تصانیف کی فہرست ہے جن سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خان صاحب موصوف کی سوچ کے زاویے کیا تھے

۱۔ قول متین در ابطال حرکتِ زمین: یہ رسالہ زمین کی گردش کی تردید اور آسمان کی گردش کی موافقت میں لکھا تھا بعد میں سر سید احمد خان زمین کی گردش کو صحیح ماننے لگے۔ دراصل یہ اس زمانے کے سائنسدانوں کا خیال ہو گا جو بعد میں بدل گیا تو سید صاحب نے بھی اپنا نظریہ بدل لیا

---

۲۷ قرآن حکیم کے اردو تراجم، ڈاکٹر صالحہ عبد الحکیم شرف الدین، ص 423، قدیمی کتب خانہ، کراچی۔

۲۔ تاریخ سرکشی بجنور: مئی ۱۸۵۷ سے اپریل ۱۸۵۸ تک کے واقعات غدر بجنور میں جمع کئے تھے۔ بعد ازاں مراد آباد میں تبادلہ ہونے پر ان معلومات کی ترتیب شروع کی۔

۳۔ اسباب بغاوت ہند: ۱۸۹۵ میں لکھی گئی اس کتاب میں غدر (یہ خان صاحب کی جنگ آزادی کے لئے مخصوص اصطلاح ہے) کے اسباب پر بحث کی گئی ہے۔ کرنل گراہم نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ سید صاحب ۱۸۵۷ کی جنگ آزادی کو غدر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ مذکورۃ الصدر دونوں کتابیں اسی تناظر میں لکھی گئی ہیں۔

۴۔ تحقیق لفظ نصاری: انگریزی حکومت، کو لفظ، نصاری کے بارے میں غلط فہمی ہو گئی تھی اور جو مسلمان بسبب لفظ نصاری، کو استعمال کرتے تھے ان کو سزا کا مستحق سمجھتے تھے۔ سر سید نے اس غلط فہمی کے ازالہ کے لئے قرآن و حدیث کی روشنی میں اس لفظ کی تشریح کی اور لکھا کہ اس لفظ کے استعمال سے کسی نفرت یا مخالفت کا اظہار مقصود نہیں۔ سید صاحب کو انگریز بہادر کی طبع نازک کا بہت خیال تھا اس وجہ سے انہوں نے اس کی وضاحت ضروری سمجھی۔

۵۔ تاریخ فیروز شاہی مصنفہ ضیا برنی: مصنف سلطان محمد تغلق اور فیروز شاہ کا ہم عصر تھا یہ تصنیف سلاطین ہند کی مستند تاریخ ہے۔ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی فرمائش پر سر سید نے اس کتاب کو ایڈٹ کیا اور دیباچہ لکھ کر شائع کیا۔

۶۔ تبیین الکلام: سر سید احمد خان نے اس کتاب میں انجیل اور قرآن مجید کی اصولی وحدت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اس کی کتابت مراد آباد میں شروع ہوئی اور غازی پور میں مکمل ہوئی۔ قرآن کریم کی اصولی وحدت تو تمام کتب سماویہ کے ساتھ ہے پھر کیا وجہ ہے کہ خان صاحب موصوف نے محض انجیل کے ساتھ ہی اس وحدت کو ثابت کیا ہے۔

۷۔ رسالہ احکام طعام اہل کتاب: ۱۸۶۸ء اس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مسلمان عیسائیوں کے ساتھ کھانا کھا سکتے ہیں اور اس میں کوئی دینی یا شرعی قباحت نہیں ہے۔ یہاں بھی یہ بات قابل غور ہے کہ باقی قوموں کے ساتھ کھانے کے احکامات کا سید صاحب نے ذکر کیوں نہیں کیا۔

۸۔ تہذیب الاخلاق یہ پرچہ ۲۴ دسمبر ۱۸۷۰ کو شائع ہونا شروع ہوا اور تین بار نئی زندگیاں پائیں اس میں سرسید اور ان کے دوست و رفقاء مضامین لکھتے تھے۔ اس کے مدیر تو سرسید احمد خان ہی تھے۔ اس سے پہلے انہوں نے سائنٹفک سوسائٹی کا میگزین جاری کیا تھا جس کا نام بعد میں علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گیزٹ رکھا تھا۔

تفسیر قرآن کے حوالے سے ان کے سب سے زیادہ قابل اعتماد رفیق مولانا حالی کی رائے ملاحظہ ہو

سرسید نے اس تفسیر میں جابجا ٹھوکریں کھائی ہیں اور بعض مقامات پر ان سے نہایت رکیک لغزشیں ہوئی ہیں۔ [28]

یہ چونکہ سرسید کے قریبی رفیق تھے اس وجہ سے انہوں نے نہایت نرم الفاظ کا استعمال کیا ہے۔

جبکہ دوسری طرف ان کے حامیوں کا خیال ہے کہ انہوں نے یہ تفسیر لکھ کر ایک تجدیدی کارنامہ سرانجام دیا ہے

بعض ناقدوں کی رائے حسب ذیل ہے :

"سرسید احمد خان جن کی متعدد تصانیف سے جو تعلیمی، اخلاقی، معاشرتی، فلسفیانہ، مذہبی، سیاسی [illegible] نگاری غرضیکہ ہر صنف و قسم کی تحریر سے تعلق رکھتی تھیں، زبان اردو کو اتنا فائدہ پہنچا اور اس قدر مالا مال ہوئی کہ کسی اور چیز سے نہیں ہوئی تھی۔ سرسید مرحوم ایک ایسے طرز تحریر کے موجد ہوئے جو جامع تھا اور جمیع اقسام مذکورہ بالا کے بخوبی کام آسکتا تھا۔ ان کی تمام تصانیف اور بالخصوص وہ بیش بہا مضامین جو (تہذیب الاخلاق) اور اس وقت کے مشہور جرائد میں چھپے ہیں ہزار ہا تعریف و توصیف کے مستحق ہیں۔ تفسیر القرآن ان کی آخری تصنیف ہے، اس لحاظ سے اِن پختہ خیالات و وجوہات کی ترجمانی ہیں جن تک سید صاحب اپنی آخری عمر میں پہنچ کر قائم ہوگئے تھے، اِس تفسیر میں روایات سے بغاوت اپنی آخری حد تک پہنچ جاتی ہے، اس ہی اصول طریق کار اور نصب العین۔ سب کچھ پرانی تفسیروں سے مختلف معلوم ہوتا ہے، انہوں نے بحثوں کو نظرانداز کر دیا ہے، جن کی (ان کی رائے میں) دور حاضر کو ضرورت نہیں، اس تفسیر میں ان کے افکار کا محور یہ ہے کہ دین میں صرف قرآن

---

[28] حیات جاوید، مولانا الطاف حسین حالی، حصہ اول، ص ۱۸۴،

مجید یقینی ہے باقی سب کچھ (حدیث، اجماع اور قیاس) اصولِ دین میں شامل نہیں، اِن کا یہ بھی خیال ہے کہ اسلام کا کوئی مسئلہ عقل اور اصول تمدن کے خلاف نہیں، اس تفسیر میں سر سید نے قرآن مجید کے جغرافیاتی اور تاریخی عقیدوں کو حل کرنے کی کوشش کی ہے اور ان مسائل کو جن کے متعلق دور جدید کو کچھ اعتراضات تھے، عقل فطرت اور تمدن کی روشنی میں پیش کیا ہے سر سید نے ناسخ منسوخ، معراج جسمانی، جہاد، سود، غلامی، تعدادِ ازواج، آدم اور ابلیس کی کہانی، ملائک اور جنات، وفات مسیح، رویئت باری وغیرہ کے متعلق جمہور کی رائے سے اختلاف کیا ہے......"[29]

مذکورہ بالا پیراگراف میں فاضل مضمون نگار کے مطابق سر سید نے ناسخ منسوخ معراج جسمانی، جہاد سود، غلامی، تعداد ازواج، آدم اور ابلیس کی کہانی، ملائک اور جنات، وفات مسیح اور رویئت باری جیسے اہم اور عقیدہ سے تعلق رکھنے والے مسائل میں جمہور کی رائے سے اختلاف کیا ہے اور ظاہر ہے انگریزی علوم سے مستنبط نتائج سے اتفاق کیا ہے اس نکتے کی مزید تفصیل باب سوم میں درج ہے

اسی طرح ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں:

"بحر حال تفسیر سر سید افکار ذہنی کے نقطہ نظر سے اک انقلاب آفرین تصنیف ہے جس نے آئندہ کے وجوہانات کے بدلے اور ڈھالنے میں بڑا حصہ لیا، سید صاحب کی دوسری کتابوں کی طرح اس تفسیر نے دینی بحث و نظر کو روحانی سمت سے ہٹا کر عقلی سمت کی طرف متوجہ کیا اور اس رجحان کو ترقی دی ۔ ہے کہ زندگی کی مادی تقدیریں ہی قابل اعتنا ہیں ۔ باقی جو کچھ ہے ضمنی ہے، تفسیر القرآن بحث و نظر کے اعتبار سے مربوط اور منظم اور اسلوب بیان کے نقطہ نظر سے دلچسپ اور اطمینان بخش تصنیف ہے ۔ اس میں مذہبی اور عالمی اصطلاحات کی وہ بھر مار نہیں جو عام طور پر تفاسیر میں ہوا کرتی ہے، اس میں انھوں نے

---

[29] تاریخ ادب اردو، از رام بابو صاحب سکسینہ، ۱۹۷۷، صفحہ ۲۰، ناشر خاتون مشرق، اُردو بازار، جامع مسجد، دھلی،

بائبل کے بیانات سے فائدہ اُٹھایااور مذہب کے تقابلی مطالعہ کی تحریک کو ایک قدم آگے بڑھایا ہے[30]"

ڈاکٹر سید عبداللہ کے مطابق سر سید نے

۱۔ دینی بحث و نظر کو روحانی سمت سے ہٹا کر عقلی سمت کی طرف متوجہ کیا

۲۔ اس رجحان کو ترقی دی کہ زندگی کی مادی تقدیریں ہی قابل اعتنا ہیں

3۔ اس میں انہوں نے بائبل کے بیانات سے فائدہ اٹھایا ہے۔

سر سید احمد خان کی استعمار نوازی کے حوالے سے Richard C Martin کے الفاظ ملاحظہ ہوں

He remained loyal to the British during the 1857 revolt and worked to reconcile Indian, Muslim and British institutions and ideologies.[31]

۲۔ مولانا ڈپٹی نذیر احمد

ڈپٹی نذیر احمد ابن سعادت علی ۱۲۵۲ھ مطابق ۱۸۳۶ میں پیدا ہوئے۔ یہ بجنور کے رہنے والے تھے۔ آباؤ اجداد کی طرف سے علم ورثے میں ملا تھا۔ بچپن میں تعلیم گھر پر ہوئی۔ خود ان کے والد مولوی سعادت علی نے عربی اور فارسی پڑھائی۔ اس وقت ان کی عمر نو سال تھی۔ کچھ بڑے ہونے پر بجنور کے ڈپٹی کلکٹر نصر اللہ خاں نے منطق اور فلسفہ پڑھایا[32]

---

[۳۰] سر سید احمد خان اور ان کے نامور رفقاء، از ڈاکٹر سید عبداللہ، صفحہ 74-84، ناشر چمن بکڈپو اُردو بازار، دھلی

[۳۱] Encyclopedia of islam and the Muslim world, Richard C martin,p32 Macmillan Reference, New York, 2004

[۳۲] سر سید احمد خان اور ان کے نامور رفقاء، از ڈاکٹر سید عبداللہ، صفحہ 74-84،

جب چودہ سال کی عمر ہوئی تو اپنے والد ہمراہ دھلی آئے۔ یہاں مدرسہ مسجد اورنگ آباد کے مشہور عالم مولوی عبد الخالق کی سرپرستی میں علم حاصل کرتے رہے، بعد ازاں دھلی کالج میں، جو ۱۸۵۴ میں قائم ہوا تھا، داخل ہو گئے، دھلی کالج میں ان کی تعلیم کا زمانہ ۱۸۵۴ تک جاری رہا، یہاں اپنے علمی اور ادبی جوہر دکھائے، اپنے ایک مربی منشی عبد اللہ خان سے انگریزی سیکھ کر اس میں عبور حاصل کیا۔[33]

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد کانپور کے ڈپٹی انسپکٹر مدارس مقرر ہوئے۔ اس کے بعد الہ آباد میں ان کا تبادلہ بحثیت انسپکٹر ہوا۔ تعزیرات ہند کے ترجمے کے صلے میں کانپور کی تحصیل داری ملی۔ اس کے بعد کلکٹر بن کر جالون، گورکھپور اور اعظم گڑھ میں رہے۔ اس زمانے میں نظام حیدر آباد عالموں کے بڑے قدر دان تھے۔ ان کی شہرت سن کر نظام نے انہیں ۱۸۷۷ میں حیدر آباد بلا لیا۔ یہاں وہ بورڈ آف ریونیو، کے ممبر بنے، حیدر آباد کی اقامت کے دوران چھ مہینے کی مختصر مدت میں قرآن حفظ کر لیا۔ اس کے بعد مولانا نے قرآن حکیم کا بہت غور وخوض سے مطالعہ کیا اور قرآن کا اردو میں ترجمہ کیا۔ ترجمہ کی زبان با محاورہ اور ایک حد تک دھلی کی ٹکسالی زبان ہے۔ یہ ترجمہ مع تفسیر، غرائب القرآن، پہلی بار ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۰ میں طبع ہوا۔ چونکہ پہلی بار غیر تحت اللفظ ترجمہ منظر عام پر آیا تھا اس لئے لوگوں میں خوب چرچے ہوئے اور ڈپٹی نذیر احمد کو بڑی محنت سے نکتہ چینیوں کو برداشت کرنا پڑا۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے ایک رسالہ اصلاح ترجمہ دھلویہ، چالیس (۴۰) صفحات پر مشتمل، لکھا جس میں اس ترجمہ کی اصلاحات ہیں۔ اسی طرح ابو محمد عبد اللہ چھپر وای نے ترجمہ پر اعتراضات کئے جسے، وفع الغواشی عن وجوہ الترجمۃ والحواشی، کے نام سے چھاپا۔[34]

قرآن حکیم کا اردو ترجمہ ڈپٹی نذیر احمد کی دینی اور ادبی زندگی کا زندہ جاوید کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ، ان کی دینی، اخلاقی، اصلاحی اور ادبی تصانیف ہیں۔

ان کی کئی کتابیں ایک عرصے تک نصابی کتابوں کی شکل میں اسکولوں اور کالجوں میں پڑھائی جاتی تھیں۔ انہوں نے کئی قانونی کتابوں کا بھی ترجمہ کیا ہے۔

---

[۳۳] ایضاً

[۳٤] قرآن حکیم کے اردو تراجم، ڈاکٹر صالحہ عبد الحکیم شرف الدین، ص ۴۱۲

ڈپٹی نذیر احمد پر عہد استعمار کے اثرات

ڈپٹی نذیر احمد نے انگریزی دور کی کئی ایک قانونی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا تھا انہی میں سے ایک تعزیرات ہند بھی تھی جس کی بدولت انہیں کانپور کی تحصیل داری ملی اسی طرح اور بھی کئی ایک کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا جس کی وجہ سے ان میں ترجمہ نگاری کی صلاحیتیں اپنے عروج پر پہنچ گئیں اور پھر آخر میں ترجمہ قرآن کی طرف متوجہ ہوئے

ڈپٹی نذیر احمد کے اسلوب ترجمہ قرآن کے بارے میں ایک نقاد کی رائے حسب ذیل ہے

"حافظ نذیر احمد عربی ادب میں مہارت رکھتے تھے لیکن ان کے اسلوب بیان میں کوئی گہرائی نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ فطرت کی طرف سے ناول نگاری کے لئے پیدا گئے تھے۔ نذیر احمد اکثر دفعہ خیالات کی رو کے ساتھ اس طرح بہہ جاتے ہیں کہ دامن ادب ان کے ہاتھ سے چھوٹا پڑتا ہے اور یہی نقص ہے جس کی بنا پر نہ صرف ادبیت کا فقدان ہو جاتا ہے بلکہ عالمانہ شان بھی ہاتھ سے جاتی رہتی ہے۔ وہ اگرچہ جید عالم تھے لیکن ان کی عبارتوں سے ان کی قابلیت اور تحقیق کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ نہایت سنجیدہ اور ثقہ بحث میں بھی وہ مذاق اور عامیانہ اسلوب بیان استعمال کرتے ہیں۔ نذیر احمد کی طرز عبارت مرزا غالب کے اسلوب سے مختلف تھی۔ غالب کی خودداری کا اقتضا یہ تھا کہ وہ دلی کی روزمرہ سے سادہ زبان نہ لیں جو دلی کے عوام اور بازاری لوگ بولتے ہیں بلکہ وہ جو وہاں کے شرفا اور اعلیٰ طبقہ میں مستعمل ہے، یہی وہ امتیازی فرق ہے جو بڑھ جانے کے بعد نقص کی شکل میں نمودار ہو کر نذیر احمد کے نہ صرف سنجیدہ مباحث بلکہ قرآن شریف کے ترجمہ میں بھی مورد الزامات رہا۔"[35]

دراصل جس نظام حکومت میں نذیر احمد کام کر رہے تھے وہاں عربی فارسی کے عام فہم الفاظ کو بھی مشکل سمجھا جاتا تھا ہو سکتا ہے اسی تصور کے رد عمل میں انہوں نے بہت ہی زیادہ عامیانہ اسلوب استعمال کیا ہو اس کی تائید ڈاکٹر صالحہ عبد الحکیم کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے:

---

[۳۵] اردو کے اسالیب بیان، ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور، صفحہ ۴۹، ۴۸، ۴۷

"اس میں شک نہیں کہ نذیر احمد ایک کامیاب مترجم تھے۔ ترجمہ کے فن کو انہوں نے کمال تک پہنچا دیا تھا۔ اس کا ثبوت ان کی دینی اور قانونی کتابیں ہیں، وہ ایک جذباتی مصلح تھے اور انہوں نے اپنے ادبی فن کو معاشرے کی اصلاح کے لئے استعمال کیا۔ ان کا طریقہ کار سر سید احمد خاں سے جدا تھا۔ انہوں نے ناول کو خاص طور پر اسی اصلاحی مقصد کے لئے استعمال کیا۔ ان کے ناولوں کو پڑھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے ناول کو اپنی ادبی اور فنی صلاحیتوں کے اظہار کے لئے یا تحقیقی اور خیالی جذبے کو اجاگر کرنے کے لئے نہیں بلکہ معاشرے کی اصلاح کی غرض سے لکھا ہے۔ ان کا انتقال مطابق ۱۹۱۲ میں ہوا۔" [36]

استعماری تسلط نے عربی اور فارسی الفاظ کو لوگوں کے لئے ناقابل فہم بنا دیا تھا اسی وجہ سے انہوں نے عوامی زبان میں ترجمہ لکھا جس کی وجہ سے ان پر تنقید بھی ہوئی

۴۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی

شیخ الہند مولانا محمود الحسن ابن مولوی ذوالفقار علی، دیوبند ضلع سہارنپور کے رہنے والے تھے، آپ کی پیدائش ۱۸۵۱ میں ہوئی۔ یہ اپنے والد مولوی ذوالفقار علی انسپکٹر آف اسکولز کے سب سے پہلے صاحبزادے تھے۔ مولانا ذوالفقار علی دیوبندی، مولانا محمود الحسن کے والد محترم ہیں۔ سلسلہ نسب حضرت عثمان غنی سے ملتا ہے۔ بانیان دار العلوم میں شمار ہوتے ہیں۔ عربی زبان وادب کے علاوہ انگریزی پر بھی عبور رکھتے تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد بریلی کالج میں پروفیسر مقرر ہوئے۔ اعلی کارکردگی بناپر ڈپٹی انسپکٹر مدارس مقرر ہوئے۔ [37]

بچپن میں قرآن کی ابتدائی تعلیم ایک بزرگ میاں جی بنگلوری نے دی، عربی اور فارسی کا درس اپنے چچا مولوی جناب علی سے لیتے تھے۔ بچپن ہی سے ذہانت اور فطانت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ علم کا شوق بھی تھا۔ ۱۸۶۶ میں ہندوستان کی مشہور و معروف دینی درس گاہ اور اسلامی ثقافتی مرکز، مدرسہ دیوبند کا افتتاح ہوا۔ اس کے اولین طلبہ میں مولانا محمود الحسن تھے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی ان کے استاد تھے۔ خاص طور پر مولانا محمود الحسن نے علم حدیث مولانا محمد

[۳۶] قرآن حکیم کے اردو تراجم، ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین، ۲۱۵،

[۳۷] مولانا ذوالفقار علی دیوبندی، مدثر جمال تونسوی، ماہنامہ دار العلوم دیوبند، اپریل ۲۰۱۲۔ جلد ۹۶، شمارہ ۴-۳

قاسم نانوتوی کی زیر سرپرستی حاصل کیا۔اس کے علاوہ دیگر مضامین کا علم بھی انہوں نے بڑی لگن اور محنت سے حاصل کیا
۔تقریباً بیس سال کی عمر میں وہ تعلیم سے فارغ ہو گئے اور فوراً ہی مدرسہ دیوبند کے مدرس معین ہو گئے۔اس قدر عمدہ تھے
کہ طلبہ اور مدرسین دونوں کا احترام کرتے تھے۔۱۹۲۰ تک دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث دونوں رہے۔
عالم ہونے کے ساتھ ساتھ انہوں نے سیاسی تحریکات میں بھی حصہ لیا۔اس زمانے میں یورپ اور ایشیا میں سیاسی ہیجان بپا
تھا۔اسلام کو کچلنے کی مہم بھی ہر طرف سے ہو رہی تھی۔اسلامی ممالک کمزور اور کسمپرسی کی حالت میں تھے،۷ ذوالقعدہ
۱۳۳۳ھ مطابق ۱۷ستمبر ۱۹۱۵ء میں مولانا نے حج کی نیت کی اور سفر کیا۔اللہ کو یہ منظور تھا کہ انہیں قید کر لیا گیا اور
جزیرہ مالٹا بھیج دیا گیا۔یہ جزیرہ انگریزی استعماریت میں تھا۔مولانا ۲۱فروری ۱۹۱۷ء کو مالٹا پہنچے کچھ عرصے انہیں ساتھیوں
سمیت قید میں رکھا گیا۔اس اسیری سے ۱۹۱۹ میں نجات ملی اور ان کو ان کے ساتھوں سمیت ہندوستان روانہ کر دیا گیا۔ اور
سلامتی سے یہ بمبئی پہنچ گئے۔[38]

مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور دوسرے علمائے کبار نے جس طرح اسیری زنداں کو بوقف
تحقیق علم کر دیا تھا اسی طرح مولانا محمود الحسن کا ترجمہ قرآن بھی سال بھر میں مالٹا کی قید کے دوران مکمل ہو گیا۔مولانا
نے ترجمہ قرآن کو کتنی اہمیت دی تھی اس کا اندازہ اسسے ہو سکتا ہے کہ مالٹا جاتے وقت جب کسی وجہ سے جہاز کے غرق
ہونے کا اندیشہ ہو گیا تھا تو مولانا نے ترجمہ کے مسودے کے اوراق مولوی عزیز گل کے سینے سے باندھ دیئے کہ اگر کوئی
بچاؤ کی صورت میں نکل آئے۔[39]

مولانا محمود الحسن کی تراجم سے استعماری اثرات مٹانے کی کوشش

شیخ الہند کی سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ انہوں نے اپنی تفسیر میں انگریزوں کی سخت
مخالفت کی ہو گی لیکن وہ تفسیری حواشی جو انہوں نے لکھے ہیں ان میں اس نوعیت کی کچھ چیزیں نہیں پائی جاتیں۔اس کی
وجہ کا اندازہ ہمیں درج ذیل واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ایک دفعہ دارالعلوم میں ایک استفتاء انگریزوں سے متعلق آیا۔مولانا
نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ اس کا جواب لکھو۔وہ کہنے لگے کہ آپ کے ہوتے ہوئے ہم کیسے جرات کر سکتے ہیں۔کہتے

[38] شیخ الہند کا ترجمہ اور تفسیر عثمانی، تنویر احمد شریفی، ص 51، ماہنامہ الحق، اکوڑہ خٹک، پشاور، فروری 1992

[39] اسیران مالٹا، مولانا محمود میاں، ص 145، مکتبہ محمودیہ، کریم پارک، لاہور، طبع جدید 1999

لگے کہ میرے اندر انگریز سے نفرت کا جذبہ بہت زیادہ پایا جاتا ہے اس لئے مجھے ڈر ہے میں اس فتوی میں انصاف کے تقاضے پورے نہیں کر سکوں گا۔[40] شاید اسی وجہ سے انہوں نے اپنی تفسیر میں اس حوالے سے زیادہ بات نہیں کی۔ہاں البتہ استعماری تسلط کے زیر اثر لوگوں نے تراجم قرآن میں، ان کے مطابق، جو غلطیاں کی ہیں ان کی نشاندہی انہوں نے اپنے حواشی میں کی ہے اور اپنے ترجمے کا محرک بھی اسی کو قرار دیتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں :

"بعض احباب اور مکرمین نے بندہ سے درخواست کی کہ قرآن شریف کا ترجمہ سلیس، مطلب خیز اردو زبان میں مناسب حال اہل زمانہ کیا جائے جس سے دیکھنے والوں کو فائدہ پہنچے اور وہ نقصان اور خلل اور لفظ و معنوی اغلاط جو بعض آزادی پسند صاحبوں کے ترجمہ سے لوگوں میں پھیل رہی ہیں ان سے بچاؤ کی صورت نکل آئے۔"[41]

5۔ مولانا ثناءاللہ امرتسری

مولانا ابو الوفاء ثناءاللہ امرتسری ابن خضر جن کی پیدائش امرتسر پنجاب کی تھی ان کا خاندان دراصل سری نگر کشمیر کا تھا لیکن پشمینہ کی تجارت کے لئے پنجاب آتے جاتے تھے، پھر وہیں بس گئے۔ان کی ولادت جون ۱۸۶۸ میں ہوئی۔ سات برس کی عمر میں والد کا انتقال ہو گیا اور چودھویں سال میں تھے کہ والدہ بھی فوت ہو گئیں، پڑھنے کا شوق تھا، ابتدائی فارسی کی تعلیم مولوی احمد اللہ رئیس امرتسر سے حاصل کی۔ دستکاری کا کام جانتے تھے۔ مولوی غلام علی قصوری سے بھی درس لیا۔اس کے بعد علم حدیث معروف عالم مولانا حافظ عبد المنان کی سرپرستی میں حاصل ہوا۔ ۱۸۸۹ میں کتب درسیہ پڑھ کر مولانا حافظ عبد المنان صاحب سے سند حاصل کی۔ سہارن پور میں چند روز قیام کر کے دیوبند چلے گئے۔ وہاں معقولات و منقولات کا مطالعہ کیا۔ مدرسہ دیوبند کے دورہ حدیث میں شرکت کی۔ دیوبند سے بھی سند حاصل کی اور مولانا احمد حسن سے حدیث پڑھنے کے لئے مدرسہ فیض عالم کانپور میں چلے گئے، شعبان ۱۸۹۲ میں مدرسہ فیض عام کانپور کا جلسہ

---

[40] اسیران مالٹا، مولانا محمود میاں، ص 145،

[41] مقدمہ تفسیر عثمانی، ص 1

ہوااور دستار فضیلت اور سند آٹھ طلبہ کو دی گئی۔ ان میں ایک مولانا ثناءاللہ امر تسری بھی تھے۔ آپ بہت ذہین، روشن دماغ، حاضر جواب اور جرات مند تھے۔[42] ۱۹۴۸ کو بمقام سرگودھا پاکستان میں آپ کا انتقال ہوا۔[43] انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مولانا ثناءاللہ امر تسری کی استعماری اثرات کو ختم کرنے کی کاوشیں

مولانا کا جو زمانہ تھا اس میں عیسائی مشنریوں نے ہر طرف اپنی سرگرمیاں جاری کی ہوئی تھیں چنانچہ مولانا کا اس طرف متوجہ ہونا ایک فطری امر تھا یہ وجہ ہے جب وہ کانپور سے سند لینے کے بعد پنجاب لوٹے اور امرتسر کے مدرسہ تائید الاسلام میں تدریس شروع کی تو اس میں ان کا دل نہیں لگا اور انہوں نے مناظروں کے ذریعے استعماری لوگوں کو جواب دینا شروع کیا۔ طالب علمی کے زمانے میں ان کے اساتذہ کرام نے ان کو اہم مناظروں میں حصہ لینے کی اجازت دی تھی۔ مناظرہ دیوریہ ضلع گورکھپور، مناظرہ نگینہ ضلع بجنور، مناظرہ جبل پور، مناظرہ خورجہ اور مناظرہ میسور بہت مشہور ہیں۔ ان مناظروں کی روداد یں کتابوں کی شکل میں بھی شائع ہو چکی ہیں۔ رامپور میں جس وقت نواب حامد علی خاں فرماں روا تھے۔ مناظرہ رامپور قادیانیوں کے ساتھ ہوا تھا اس میں نواب صاحب نے یہ سرٹیفکیٹ دیا تھا :

> "رامپور میں قادیانی صاحبوں سے مناظرہ کے وقت مولوی ابو وفاء محمد ثناءاللہ صاحب کی گفتگو ہم نے سنی۔ مولوی صاحب نہایت فصیح البیان ہیں اور بڑی خوبی یہ ہے کہ برجستہ کلام کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تقریر میں جس امر کی تمہید کی اسے بدلائل ثابت کیا۔ ہم ان کے بیان سے محظوظ و مسرور ہوئے۔
> (دستخط خاص حضور نواب صاحب بہادر حامد علی خاں)"[44]

---

[42] مقدمہ تفسیر ثنائی، احسان الٰہی ظہیر، ص ۵، مکتبہ نعمانی، لاہور، طبع اول ۱۹۸۵

[43] پندرہ روزہ، مجلہ اہل حدیث مورخہ ۷-۱۲ ستمبر ۱۹۸۰

[44] ماخوذ از خود نوشت سوانح حیات، مولانا ثناءاللہ امر تسری، مکتبہ السلام، لاہور، صفحہ ۹۵، طبع دوم ۱۹۹۵

بعد میں بھی عیسائیوں، آریہ سماجیوں اور قادیانیوں سے خوب مناظرے کرتے رہتے تھے۔ انہیں امام المناظرین بھی کہا جاتا ہے۔ عیسائیوں کی طرف سے "عالمگیر مذہب اسلام ہے یا مسیحیت"، "دین فطرت اسلام ہے یا مسیحیت اور "اصول البیان فی توضیح القرأن" شائع ہوئی تھی۔ مولانا نے ان کے جواب میں "اسلام اور مسیحیت" شائع کی۔ علمی حلقوں میں اس کی بہت تعریف ہوئی اسی طرح آریہ سماج والوں کی کتاب "ستیارتھ پرکاش" جس میں اسلام پر ایک سو انسٹھ اعتراضات ہیں اس کا جواب آپ نے، "حق پرکاش" لکھ کر دیا، "ترکِ اسلام" کا جواب "جواب ترکِ اسلام" لکھ کر دیا۔ "کتاب اللہ وید ہے یا قرأن" کے جواب میں "کتاب الرحمن" لکھی، "رنگیلا رسول" کے رد میں "مقدس رسول" لکھی قادیانیوں کے رد میں بھی بہت سے رسالے لکھے ہیں۔

مولانا ثناءاللہ امرتسری نے جمیعت العلماء اور جمیعت اہل حدیث کی بہت خدمات کی ہیں مولانا حبیب الرحمان مہتمم مدرسہ دیوبند اور مولانا محمود الحسن ان کو بہت پسند کرتے تھے اور ہمیشہ ان کی ہمت افزائی کرتے تھے، انہوں نے علم حدیث میں مولانا محمود الحسن سے بھی استفادہ کیا تھا، جمیعت اھل حدیث کی خدمات میں سب سے قابل ذکر کارنامہ اخبار اہل حدیث "کا اجراء ہے۔ "اخبار اہل حدیث" آپ نے ۱۹۰۴ میں جاری کیا تھا۔ جس کا مقصد غیر مسلم حملوں کا جواب اور مسلم معاشرے کی اصلاح بھی۔ یہ تمام تحریر گرمیاں ظاہر کرتی ہیں کہ ان کی ساری جدوجہد کا مقصد استعماری طاقتوں اور ان کے حمایتی گروہوں کا مقابلہ کرنا تھا

مولانا کی قرأن سے متعلقہ تصانیف کی فہرست درج ذیل ہے

آپ نے (مولانا ثناءاللہ) قرأن مجید کے بارے میں تقریباً گیارہ کتب تصنیف کیں مگر جن کا تعلق قرأن مجید کی تفسیر سے ہے وہ سات ہیں۔

ا۔ تفسیر القرأن بکلام الرحمان (عربی):

یہ تفسیر القرآن یفسر بعضہ بعضاً کا بہترین مرقع ہے اس عربی تفسیر کی مصری رسائل "الاھرام" اور "المنار" نے بھی خوب تعریف کی ہے۔ علامہ سید رشید رضا مصری مرحوم نے اپنے مجلہ "المنار" میں لکھا کہ مولانا ثناءاللہ اسلام اور مسلمانوں کے وکیل ہیں۔ اور ان کے زہد و تقوی کو دیکھ کر آدمی کہہ سکتا ہے کہ وہ عام آدمی نہیں بلکہ رجل الٰہی ہیں۔[45]

مورخ اسلام علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے یہاں تک لکھا کہ تفسیر القرآن بکلام الرحمان اس قابل ہے کہ اس کو نصاب درس میں داخل کر لیا جائے۔[46] اس تفسیر میں آپ نے ہر آیت کا ترجمہ دوسری آیت سے کیا ہے اور اس تفسیر میں آپ نے آیات وصفات وغیرہ میں سلفی عقائد کے بجائے امام شاہ ولی اللہ دھلوی کی پیروی میں تاویل کی راہ اختیار کی ہے۔

۲۔ بیان الفرقان علی علم البیان (عربی):

اس تفسیر میں علم معانی و بیان کی اصطلاحیں درج ہیں، قرآن کریم کی عظمت، فصاحت، بلاغت اور سحر بیانی کو واضح کیا ہے۔

۳۔ تفسیر بالرائے (اردو):

اس تفسیر میں تفسیر بالرائے، کے معنی بتا کر تفاسیر قرآن و تراجم قرآن قادیانی، چکڑالوی، بریلوی، بہائی اور شیعہ وغیرہ کی تفسیری اغلاط کی نشان دہی کی گئی ہے، قابل دید کتاب ہے۔

۴۔ تفسیر ثنائی (اردو):

تفسیر آٹھ جلدوں میں ہے، ترجمہ بامحاورہ، ربط آیات کا انداز لئے ہوئے ہے۔ حواشی مناظرانہ طرز کے ہیں جن میں فرق باطلہ اور ادیان کا ذبہ بالخصوص نیچری، چکڑالوی، مرزائی اور بدعتی عقائد کی بڑی کامیابی سے تردید کے ساتھ ساتھ ہندو [illegible]

---

[45] المنار ا جلد ۲۳، بحوالہ نقوش الوفاء، صفحہ ۴، ملک امام خاں، مکتبہ السلام، لاہور، صفحہ ۹۵، طبع سوم ۱۹۸۵

[46] معارف صفحہ ۶۱۲، اعظم گڑھ، شمارہ ۴ جلد ۴۲

،عیسائیوں اور دیگر مذاہب کے اعتراضات اور ان کے معقول مدلل جوابات دیتے گئے ہیں، خصوصاً سرسید احمد خان کے خیالات کی تردید خوب خوب کی ہے۔اسی حوالے سے مولانا لکھتے ہیں

"یہ جبریل ایک ملکہ فطرتی کا نام ہے جو انبیاء میں ابتدائے فطرت سے ہوتا ہے وہی ملکہ اس کو بلاتا ہے وہیاس کے دل میں نئے نئے خیالات پیدا کرتا ہے یا پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے جیسا کہ ایک لوہار کو اپنے فن آہن گری میں نئے نئے [illegible] خیالات سوجھتے ہیں الخ

ناظرین یہ ہے سرسید کی کمال تحقیق جس پر بڑا فخر کرتے ہوئے علمائے اسلام کو کوڑھ مغز ملا، شہوت پرست، زاہد خشک وغیرہ کے القاب بخشتے ہیں"[47]

5۔آیات متشابہات :

اپنے خاص انداز سے اصول تفسیر کی تحقیق، جس کو اپنی اردو عربی تفسیروں کے لئے بطور مقدمہ لکھا ہے۔

٦۔برہان التفاسیر بجواب سلطان التفاسیر .

یہ کتابی شکل میں شائع نہیں ہوئی۔اخبار اہل حدیث میں قسط وار شائع ہوئی ہے۔[48]

۷۔تفسیر سورہ یوسف :

جو علیحدہ کتابی صورت میں امر تسر سے شائع ہوئی۔ آپ کا ترجمہ اور تفسیر قرآن بہت مستند اور مقبول ہے۔مذکورہ بالا رسالہ جات اور کتب کے علاوہ فتاوی ثنائیہ اور حواشی ثنائیہ ان کی ادبی اور دینی یادگاروں میں سے ہیں۔قرآن کے حوالے سے یہ فہرست ظاہر کرتی ہے عہد استعمار جیسے گئے گزرے دور میں بھی عمل بالقرآن کے داعی تھے۔مولانا اپنی تفسی کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں.

---

[47] مقدمہ تفسیر ثنائی، احسان الہی ظہیر، ص۵،

[48] قرآن حکیم کے اردو تراجم، ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین، ۲۰۰۴

اس تفسیر کے لکھنے کا مجھے دو وجہ سے خیال پیدا ہوا ایک تو میں نے سوچا کہ مسلمان عموماً فہم قرآن شریف سے ناواقف ہیں بلکہ شناخت حروف سے بھی ناآشنا ہیں ایسے وقت میں ان کا عربی تصانیف سے فائدہ اٹھانا قریب بمحال ہے [49]

استعماری تسلط کے حوالے ان کی سوچ کا اندازہ اس عبارت سے لگایا جا سکتا ہے:

یہ وہ مومن ہیں جنہوں نے اللہ سے سودا کیا ہے جو اپنے سودا میں بڑے نفع میں ہیں تو ﷺ بھی ان کی خاطر کہہ دو ان مومنوں کو

خوشخبری سنا کہ تم نے اپنے سودے میں اتنا نفع پایا کہ کسی یورپ اور امریکہ کے سوداگر نے بھی آج تک نہیں پایا [50]

Maulana Sanaullah Amratsari (1868-1948) was one muslim champion who dibated aganst hindus. He also used his polemical talent aganst the Christians in his Tafseer Sunai[51]

صوفی عبدالحمید خان سواتی

صاحب تفسیر " معالم العرفان فی دروس القرآن " صوفی عبد الحمید سواتی (۱۹۱۷-۲۰۰۸) عصر حاضر کی ایک معروف علمی شخصیت تھے۔آپ کا آبائی وطن کڑ منگ بالا ضلع مانسہرہ تھا۔ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کرنے کے بعد ۱۹۲۸سے۱۹۳۸ دس سال تک پاکستان کے مختلف علاقوں کے مدارس میں دینی علوم وفنون کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔صرف و نحو، قرآن ، تفسیر ، حدیث ، اُصول حدیث ، فقہ ، اُصول فقہ منطق ، معقولات اور فلسفہ قدیمہ، وغیرھم تقریباً تمام ہی علوم دفنون مختلف اساتذہ سے پڑھے۔۱۹۴۱میں بر صغیر کی سب سے قدیم و معروف دینی درس گاہ دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔

---

۴۹ تفسیر ثنائی، ثناءاللہ امر تسری، ج۱، ص۹، مکتبہ نعمانی، لاہور، طبع اول ۱۹۸۵

۵۰ تفسیر ثنائی، ثناءاللہ امر تسری، ج2، ص 7

۵۱ Christian Muslim dialogue in the twentieth century , Ataullah Sidequi p 8,Palgrave Macmillan , New York,1997

العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد صوفی صاحب نے اس عہد میں تقابلِ ادیان و مطالعہ فرق و مذاہب کے مشہور ترین ادارہ دار المبلغین لکھنو میں داخلہ لے لیا۔۱۹۴۷میں انہوں نے ریاست حیدر آباد کی کے مشہور نظامیہ طبیہ کالج میں داخلہ لیا اور چار سالہ طبیب کورس نہایت امتیازی حیثیت سے پاس کیا[52]

۱۹۵۲میں مدرسہ نصرۃ العلوم اور جامع مسجد نور کی بنیاد رکھی۔مدرسے کا انتظام ، مسجد میں خطابت اور درس و تدریس کی ذمہ داری کا آغاز ہوا اور تادم مرگ اس سلسلہ کو بہ احسن طریقہ سر انجام دیا۔ مدرسہ نصرۃ العلوم اور جامع مسجد نور کا شمار ملک کے بڑے دینی اداروں میں ہوتا ہے اور یہاں سے فارغ التحصیل ہونے والے علماء کرام پاکستان ، بھارت ، بنگلہ دیش، افغانستان ، سعودی عرب اور کئی یورپی ممالک میں مختلف حوالوں سے دینی خدمات سر انجام دے رہے ہیں۔دینی عقائد و نظریات اور مذہبی افعال و رسومات کی اصلاح میں اس ادارہ نے مجددانہ اور مجاہدانہ کردار ادا کیا ہے۔

صوفی عبدالحمید خان سواتی کی استعماری تسلط کی یلغار پر کڑی تنقید

مولانا سواتی نے جس عہد میں آنکھ کھولی اس میں ہر طرف شورش بپا تھی مولانا بھی اس ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے لیکن وہ استعماری یلغار کی رو میں بہہ نہیں گئے بلکہ انہوں نے ڈٹ کر تہذیب فرنگ کا مقابلہ کیا اور اس کی غلط روایات پر کڑی تنقید کی۔درج ذیل حوالوں سے مصنف نے عہد استعمار کی مخالفت کی ہے

اسلام کی سیاسی و تہذیبی اقدار کی حفاظت :

مفسرِ موصوف مغربی تہذیب اور اس کے مظاہر کے بہت بڑے نقاد تھے ، ان کے خیال میں مغربی تہذیب و کلچر نے ہماری ملی اقدار اور مشرقی تہذیب کی جڑیں کھوکھلی کر کے رکھ دی ہیں۔اس سے ہماری نسل کو دین سے باغی اور شریعت سے بے زار اور مادیت کا رسیا کر کے رکھ دیا ہے جیسا کہ

[52] ماخوذ از ماہنامہ نصرۃ العلوم، مفسر قرآن نمبر، اگست تا اکتوبر ۲۰۰۸

مدارسِ دینیہ اسلامی کلچر اور مشرقی تہذیب کے محافظ ہیں۔تفسیر میں مغربی تہذیب کے علمبرداروں اہل یورپ ، امریکی ، انگریزوں اور عیسائیوں کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا ہے ۔تہذیب مغرب سے مرعوبیت کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے ، ایک جگہ لکھتے ہیں :

" آج بھی تمام مشرقی ممالک ذہنی طور پر انگریز کے غلام ہیں۔امریکہ تو اب آقا ہے۔ ہے یہ بھی انگریز ، انگریزوں نے مسلمانوں کو دین اور قرآن سے دور کر دیا ہے۔عورتوں میں شیطانی آزادی کی روح پھونک دی ہے۔اب تمام ممالک انگریز کی سیاسی اور اقتصادی غلامی میں جکڑے ہوئے ہیں۔"[53]

سادہ اسلوب اور عمومی نوعیت کی معلومات کے تحت انگریزیت اور مغربی تہذیب پر نقد کی گئی ہے۔ تاہم دل میں سوزو تڑپ موجود ہے۔ہم جنس پرستی ، فحاشی اور شہوت پرستی کے مقاصد بیان کئے ہیں اوراس ضمن میں پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کے کردار کو قابلِ مذمت قرار دیا ہے۔معاشرتی استحکام و خوش حالی میں نکاح ، ادارہ ازدواج اور خاندان کی اہمیت و حیثیت کو اجاگر کیا ہے۔ان کی نظر میں برتھ کنٹرول یہود کی سازش اور اللہ تعالیٰ کی سکیم کا مقابلہ کرنے کے مترادف ہے ۔بقول ان کے ولی اللہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی کسی سکیم کا مقابلہ کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ اور ملاءِ اعلیٰ کی لعنت کا مستحق ٹھہرتا ہے۔برتھ کنٹرول کی مغربی پالیسی ، مسلمان خاندان کے لئے کئی دینی و دنیاوی قباحتوں کا باعث ہے۔لکھتے ہیں۔

"پیدائش کو روکنے کے لئے طرح طرح کی حربے استعمال کئے جاتے ہیں۔کبھی عورت کو مانع حمل گولیا ں کھلا کر اور کبھی بچہ دانی کا آپریشن کر کے حمل روکنے کی کوشش کی جاتی ہے۔یہ عمل ایک طرف تو آیت کریمہ کی زد میں آتا ہے اور دوسری طرف بے حیائی کو فروغ دیتا ہے۔"[54]

---

[53] معالم العرفان، صوفی عبدالحمید خان سواتی، ج3، ص294، مکتبہ دروس القرآن، گوجرانوالہ، طبع دوم 1995

[54] معالم العرفان، ج7، ص428

اس ضمن میں مصنف موصوف کے اسلوب تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ خاندانی منصوبہ بندی یا پیدائش میں وقفے کے تمام تر طریقوں کو نا جائز اور حرام سمجھتے ہیں ، اس نقطہ نظر کو بہر حال تسلیم نہیں کیا جا سکتا ہے۔سیاسی نظریات کے اعتبار سے آپ خلافتِ علی منہاج النبوۃ کے داعی تھے۔ اپنی تفسیر میں انہوں نے ملوکیت اور خاص فرائض اور ذمہ داریاں یاد دلائی ہیں۔اسلام کے تصورِ مساوات، اتحاد اخوت کو اجاگر کیا ہے۔دلائل میں انہوں نے حضرت بلال حبشی ، حضرت سلمان فارسی اور حضرت صہیب رومیؓ کے اسلام میں نمایاں مقام کو بیان کیا ہے۔اور یہ کہ عجمی غلام ہونے کے باوجود آنحضرت کی شفقتوں کا مرکز تھے۔جہاد کی اہمیت ، اقسام ، اس کی ضرورت و افادیت اور اس کے لیے ہر قسم کے وسائل حرب و ضرب اختیار کرنے کی اہمیت بتائی ہے۔اس سلسلے میں غفلت برتنے کو امت مسلمہ کے زوال و انحطاط کا سبب قرار دیا ہے۔جہاد کی ترغیب و تشویق کے بیان میں عہد رسالت و خلفاءراشدین کے بصیرت افروز و ایمان افزا مجاہدانہ کارناموں کو اجاگر کیا گیا ہے۔

تفسیر کا دعوتی و اصلاحی پہلو:

مفسرِ موصوف اجتماعی اور معاشرتی امراض اور ان کے علاج کے ساتھ خصوصی دلچسپی رکھتے ہیں۔چنانچہ جوں ہی اجتماعی مسائل سے متعلق کسی آیت کی تفسیر کرتے ہیں تو بڑی تفصیل کے ساتھ اس بیماری کے خطرات سے آگاہ کرتے اور اس کا علاج تجویز کرتے ہیں۔یہ سب باتیں قرآن حکیم سے استنباط کر کے آپ لوگوں تک اس لئے پہنچاتے ہیں کہ وہ راہ راست پر آجائیں۔آیت کی مناسبت سے جو بھی اصلاحی و دعوتی نکات ذہن میں آتے ہیں ، لکھتے جاتے ہیں خصوصاً اشاعت معروف اور انسداد منکرات کے ضمن میں احادیث اور اقوالِ صحابہ وصوفیاءسے بھی استشہاد کرتے ہیں۔کہا جا سکتا ہے انہوں نے دروس میں ان کے حل پر زور دیا ہے۔جیسے تزودوافان خیر الزاد التقویٰ کی تشریح کرتے ہوئے گدا گری کی حرمت کے مسئلہ کو بیان کیا ہے ۔بد کاری ، شراب نوشی اور بے حیائی سے کو

مظاہر پر زور اور انداز میں مذمت بیان کی۔اور کہا ہے کہ یہ بھی چوری اور ڈاکے کی طرح ایک مستقل پیشہ ہے۔[55]

جدید طبّی و سائنسی تحقیقات :

صوفی صاحب نے حیدر آباد دکن کے مشہور طبیہ کالج سے حکیم کا کورس نہایت اعلیٰ پوزیشن سے اس کیا تھا۔یہی وجہ ہے کہ ان کی تفسیر میں طبّی معلومات ، انسان ، حیوانات اور جمادات وغیرہ کی طبّی و جسمانی ساخت سے متعلق مفید معلومات ملتی ہیں۔آیت کی تشریح میں جدید طبّی و سائنسی تحقیقات و انکشافات کا ذکر اس انداز سے کیا ہے کہ اسے قرآنی بیانات کی حقانیات کا اثبات ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر آیت (وَنَضَعُ المَوَازِیْنَ القِسطَ لِیومِ القیمۃ) کے تحت فرماتے ہیں کہ جب ہوا اور درجہ حرارت وغیرہ کو تولا (اور ماپا) جا سکتا ہے تو اعمال کیوں نہیں تولے جا سکتے۔[56] رحم مادر میں بچے کی مختلف حالتوں اور ان کے تفسیرات کے بیان میں جدید مڈوائفری (Midwifery) کی کتب کے حوالے ملتے ہیں۔[57] چرند پرند اور حشرات الارض کے بارے میں جدید ترین معلومات دیگر انسائیکلو اور دیگر نایاب کتب سے جمع کی ہیں۔[58] قرآن حکیم کی وہ آیات جن میں آیات آفاق و انفس کا نام دیا جاتا ہے ان کی تفسیر میں شرح و بسط سے کام لیا ہے۔ تخلیق ارض وسماء، جاندار وں کی تخلیق ، شب و روز کا تغیر و تبدل ، ہواؤں کی گردش وغیرہ موضوعات پر بحث کرتے ہوئے جدید سائنسی ترقیات کو بھی بیان کرتے ہیں۔ان مقامات پر ان کازورِ بیان عیاں ہو کر سامنے آتا ہے۔[59]

---

[55] معالم العرفان ج02ص320-321

[56] معالم العرفان ج13ص320-321

[57] معالم العرفان ج13ص581

[58] معالم العرفان ج4، ص263-368

[59] معالم العرفان ج16ص725-729

باب سوم

استعماری تسلط کے اثرات

فصل اول: استعماری تسلط کے منفی اثرات

فصل دوم: استعماری تسلط کے مثبت اثرات

استعماری تسلط کے منفی اثرات

بقول کسے ثبات فقط تغیر کو زمانے میں کے مصداق دنیا میں ہر وقت تبدیلی کا عمل جاری وساری رہتا ہے اور دنیا میں موجود تمام چیزیں اس تبدیلی کی زد میں آتی ہیں۔ حالات کا اتار چڑھاؤ قدرتی امر ہے۔ اتار چڑھاؤ کے ساتھ قوانین اور اسالیب وغیرہ سب بدلتے رہتے ہیں اور ان کی ترتیب وتدوین ہوتی رہتی ہے مولانا تقی امینی لکھتے ہیں:

"معاشرے میں جب توانائی ہوتی ہے اور راہنماؤں میں صلاحیت کے ساتھ ساتھ ذمہ داری کا احساس ہوتا ہے تو ترتیب وتدوین کا کام بڑی خوش اسلوبی سے انجام پاتا ہے لیکن جب معاشرہ کمزور وناتواں ہوتا ہے اور ادھر راہنماؤں میں بحیثیت مجموعی قومی وملی مفاد کا شدید احساس نہیں ہوتا یا ذاتی وگروہی اقتدار کے تحفظ کی زیادہ فکر ہوتی ہے تو مذکورہ کام میں بڑی حوصلہ شکنی ہوتی ہے"[60]

مذکورہ بالا اسباب میں سے کوئی بھی سبب مثبت سمت میں پیشرفت کرنے میں رکاوٹ بنتا ہے اور انسان منفی سمت میں قدم اٹھا دیتا ہے۔ اس فصل میں ان معدودے چند نام نہاد مفسرین کا ذکر رہا ہے جو عہد استعمار کی غیر اسلامی یلغار میں بہہ گئے اور ایسا تاریخ اسلام میں دو مرتبہ ہوا تھا ایک مرتبہ مفہوم قرآن میں تحریف کا کارنامہ معتزلہ نے سرانجام دیا اور دوسری مرتبہ عقل پرستوں نے تحریف وتبدیلی کی کوششیں کیں لیکن دونون زمانوں کچھ فرق تھا۔

بیرونی فلسفوں اور غیر اسلامی نظریات کا دوسرا دور تیرھویں صدی ہجری یا اُنیسویں صدی عیسوی میں شروع ہوا۔ لیکن دوسری صدی ہجری کی بہ نسبت حالات بہت مختلف تھے۔ اس وقت مسلمان فاتح تھے اور انہیں سیاسی غلبہ حاصل تھا اور جن فلسفوں سے انہیں سابقہ پیش آیا تھا وہ مفتوح ومغلوب فرقوں کا فلسفہ تھا اس وجہ سے ان فلسفوں کا حملہ مسلمانوں پر اجتماعی طور پر بہت ہلکا ثابت ہوا۔ اس کے برعکس تیرھویں صدی ہجری میں یہ حملہ ایسے وقت میں ہوا جب مسلمان ہر میدان میں پٹ چکا تھا۔ اس کے ملک پر دشمنوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ معاشی لحاظ سے انہیں کچل ڈالا گیا تھا ان کا نظام تعلیم درہم برہم ہو چکا تھا اور ان پر فاتح قوم نے اپنی تعلیم اپنی تہذیب، اپنی زبان اپنے قوانین اور اپنے اجتماعی، سیاسی

---

٦٠ احکام شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت، مولانا محمد تقی امینی، ص 17، الفیصل ناشران وتاجران کتب، اردو بازار لاہور، طبع 2007

اور معاشی اداروں کو پوری طرح مسلّط کر رکھا تھا۔ ایسے حالات میں فاتحوں کے فلسفے اور سائنس نے ان کو معتزلہ کی نسبت ہزار درجہ زیادہ مرعوب کر دیا۔ انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ مغرب سے جو افکار و نظریات درآمد ہو رہے ہیں وہ سراسر معقول ہیں۔ ان پر اسلام کے نقطہ نظر سے تنقید کر کے حق و باطل کا فیصلہ کرنا تاریک خیالی ہے اور زمانہ کے ساتھ چلنے کی صورت بس یہی ہے کہ اسلام کو کسی نہ کسی طرح ان کے مطابق ڈھال لیا جائے۔

دوسرا فرق یہ پڑا کہ معتزلین خود صاحب علم لوگ تھے۔ عربی زبان اور عربی ادب میں پوری دسترس رکھتے تھے اور ان کو سابقہ بھی ایسے لوگوں سے پڑا تھا جن کی علمی زبان عربی تھی۔ عام لوگوں کا بھی تعلیمی معیار بلند تھا۔ علمائے دین ہر طرف موجود تھے لہٰذا معتزلین نہایت سنبھل کر بات کرتے تھے وہ صرف اس حدیث کی تاویل کرتے تھے جو ان کے عقائد سے ٹکراتی ہو۔ عام حیثیت سے وہ حجیت حدیث کے قائل تھے۔ مگر یہ دور ایسا ہے جس میں معتزلین کا سرمایہ ذہن بیشتر مستشرقین مغرب کا مرہون منت ہے اور عوام کی علمی سطح بھی انتہائی پست ہے۔ لہٰذا موجودہ حملہ معتزلین کے حملہ سے دوگونہ وجودہ کی بناپر شدید تر ہے۔[61]

برصغیر پاک و ہند میں اس دور کے سرخیل سرسید احمد خان (۱۸۱۷-۱۸۹۸) ہیں۔ آپ نے مغربی ممالک میں تعلیم حاصل کی۔ اس دور میں یورپ صرف اسی بات کو ماننے پر تیار تھا جو عقل و تجربہ کی کسوٹی پر پوری اترتی ہو اور ہر وہ بات جو خارق عادت یا فوق الفطرت ہو۔ اہل مغرب کے ہاں ناممکن الوقوع اور خلاف عقل سمجھ کر رد کر دی جاتی تھی۔

دوسرے سر چارلس ڈارون کا نظریہ ارتقاء بھی منظر عام پر آچکا تھا۔ یہ سوال پہلے بھی فلاسفروں نے پیدا کیا تھا کہ آیا انسان اولادِ ارتقاء ہے یا اس کی پیدائش کسی دوسری نوعیت سے ہوئی ہے ڈارون نے ۱۸۹۵ء میں ایک کتاب اصل الانواع (Origin of Spicies) لکھ کر یہ نظریہ مدوّن طور پر پیش کیا کہ انسان فی الواقع اولادِ ارتقاء ہے۔ یہ نظریہ انسان کو دہریت کی طرف لے جاتا ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ ڈاون خود پہلے خدا پرست تھا، پھر وہ لاادریت کے مقام پر آگیا اور آخر میں دہریہ ہو گیا۔ اسی وجہ سے یہ نظریہ کمیونسٹوں میں مقبول ہوا اور وہ اس کا پرچار بھی کرتے ہیں۔

---

[61] عقل پرستی اور انکار معجزات، مولانا عبدالرحمان کیلانی، ص 56، طبع دوم، مکتبہ السلام، لاہور۔

[62] ایضاً

مظاہر پر زور اور انداز میں مذمت بیان کی۔اور کہا ہے کہ یہ بھی چوری اور ڈاکے کی طرح ایک سفر پیشہ ہے۔[55]

جدید طبّی و سائنسی تحقیقات :

صوفی صاحب نے حیدر آباد دکن کے مشہور طبیہ کالج سے حکیم کا کورس نہایت اعلیٰ پوزیشن سے اس کیا تھا۔یہی وجہ ہے کہ ان کی تفسیر میں طبّی معلومات ، انسان ، حیوانات اور جمادات وغیرہ کی طبّی و جسمانی ساخت سے متعلق مفید معلومات ملتی ہیں۔آیت کی تشریح میں جدید طبّی و سائنسی تحقیقات و انکشافات کا ذکر اس انداز سے کیا ہے کہ اسے قرآنی بیانات کی حقانیات کا اثبات ہو ہے۔ مثال کے طور پر آیت (وَنَضَعُ المَوَازِيْنَ القِسطَ لِيومِ القيمَا) کے تحت فرماتے ہیں کہ جب ہوا اور درجہ حرارت وغیرہ کو تولا (اور ماپا) جا سکتا ہے تو اعمال کیوں نہیں تولے جا سکتے۔[56] رحم مادر میں بچے کی مختلف حالتوں اور ان کے تفسیرات کے بیان میں جدید مڈوائفری (Midwifery) کی کتب کے حوالے ملتے ہیں ۔[57] چرند پرند اور حشرات الارض کے بارے میں جدید ترین معلومات دائرۃ المعارف اور دیگر نایاب کتب سے جمع کی ہیں۔[58] قرآن حکیم کی وہ آیات جن آیات آفاق و انفس کا نام دیا جاتا ہے ان کی تفسیر میں شرح و بسط سے کام لیا ہے۔ تخلیق ارض و سماء، جاندار وں کی تخلیق ، شب و روز کا تغیر و تبدل ، ہواؤں کی گردش وغیرہ موضوعات پر بحث کرتے ہوئے جدید سائنسی ترقیات کو بھی بیان کرتے ہیں۔ان مقامات پر ان کازورِ بیان عیاں ہو کر سامنے آتا ہے۔[59]

---

[55] معالم العرفان ج02 ص320-321

[56] معالم العرفان ج13 ص320-321

[57] معالم العرفان ج13 ص581

[58] معالم العرفان ج4، ص263-368

[59] معالم العرفان ج16 ص725-729

باب سوم

استعماری تسلط کے اثرات

فصل اول: استعماری تسلط کے منفی اثرات

فصل دوم: استعماری تسلط کے مثبت اثرات

استعماری تسلط کے منفی اثرات

بقول کسے ثبات فقط تغیر کو زمانے میں کے مصداق دنیا میں ہر وقت تبدیلی کا عمل جاری وساری رہتا ہے اور دنیا میں موجود تمام چیزیں اس تبدیلی کی زد میں آتی ہیں۔ حالات کا اتار چڑھاؤ قدرتی امر ہے۔ اتار چڑھاؤ کے ساتھ قوانین اور اسالیب وغیرہ سب بدلتے رہتے ہیں اور ان کی ترتیب وتدوین ہوتی رہتی ہے مولانا تقی امینی لکھتے ہیں:

"معاشرے میں جب توانائی ہوتی ہے اور راہنماؤں میں صلاحیت کے ساتھ ساتھ ذمہ داری کا احساس ہوتا ہے تو ترتیب وتدوین کا کام بڑی خوش اسلوبی سے انجام پاتا ہے لیکن جب معاشرہ کمزور وناتواں ہوتا ہے اور ادھر راہنماؤں میں بحیثیت مجموعی قومی وملی مفاد کا شدید احساس نہیں ہوتا یا ذاتی وگروہی اقتدار کے تحفظ کی زیادہ فکر ہوتی ہے تو مذکورہ کام میں بڑی حوصلہ شکنی ہوتی ہے"[60]

مذکورہ بالا اسباب میں سے کوئی بھی سبب مثبت سمت میں پیشرفت کرنے میں رکاوٹ بنتا ہے اور انسان منفی سمت میں قدم اٹھا دیتا ہے۔ اس فصل میں ان معدودے چند نام نہاد مفسرین کا ذکر ہے جو عہد استعمار کی غیر اسلامی یلغار میں بہہ گئے اور ایسا تاریخ اسلام میں دو مرتبہ ہوا تھا ایک مرتبہ مفہوم قرآن میں تحریف کا کارنامہ معتزلہ نے سرانجام دیا اور دوسری مرتبہ عقل پرستوں نے تحریف وتبدیلی کی کوششیں کیں لیکن دونوں زمانوں کچھ فرق تھا۔

بیرونی فلسفوں اور غیر اسلامی نظریات کا دوسرا دور تیرھویں صدی ہجری یا انیسویں صدی عیسوی میں شروع ہوا۔ لیکن دوسری صدی ہجری کی بہ نسبت حالات بہت مختلف تھے۔ اس وقت مسلمان فاتح تھے اور انہیں سیاسی غلبہ حاصل تھا اور جن فلسفوں سے انہیں سابقہ پیش آیا تھا وہ مفتوح ومغلوب فرقوں کا فلسفہ تھا اس وجہ سے ان فلسفوں کا حملہ مسلمانوں پر اجتماعی طور پر بہت ہلکا ثابت ہوا۔ اس کے برعکس تیرھویں صدی ہجری میں یہ حملہ ایسے وقت میں ہوا جب مسلمان ہر میدان میں پٹ چکا تھا۔ اس کے ملک پر دشمنوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ معاشی لحاظ سے انہیں کچل ڈالا گیا تھا ان کا نظام تعلیم درہم برہم ہو چکا تھا اور ان پر فاتح قوم نے اپنی تعلیم اپنی تہذیب، اپنی زبان اپنے قوانین اور اپنے اجتماعی، سیاسی

---

[60] احکام شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت، مولانا محمد تقی امینی، ص 17، الفیصل ناشران وتاجران کتب، اردو بازار لاہور، طبع 2007

اور معاشی اداروں کو پوری طرح مسلّط کر رکھا تھا۔ ایسے حالات میں فاتحوں کے فلسفے اور سائنس نے ان کو معتزلہ کی نسبت ہزار درجہ زیادہ مرعوب کر دیا۔ انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ مغرب سے جو افکار و نظریات درآمد ہو رہے ہیں وہ سراسر معقول ہیں۔ ان پر اسلام کے نقطہ نظر سے تنقید کر کے حق و باطل کا فیصلہ کرنا تاریک خیالی ہے اور زمانہ کے ساتھ چلنے کی صورت بس یہی ہے کہ اسلام کو کسی نہ کسی طرح ان کے مطابق ڈھال لیا جائے۔

دوسرا فرق یہ پڑا کہ معتزلین خود صاحب علم لوگ تھے۔ عربی زبان اور عربی ادب میں پوری دسترس رکھتے تھے اور ان کو سابقہ بھی ایسے لوگوں سے پڑا تھا جن کی علمی زبان عربی تھی۔ عام لوگوں کا بھی تعلیمی معیار بلند تھا۔ علمائے دین ہر طرف موجود تھے لہٰذا معتزلین نہایت سنبھل کر بات کرتے تھے وہ صرف اس حدیث کی تاویل کرتے تھے جو ان کے عقائد سے ٹکراتی ہو۔ عام حیثیت سے وہ حجیت حدیث کے قائل تھے۔ مگر یہ دور ایسا ہے جس میں معتزلین کا سرمایہ زیادہ تر بیشتر مستشرقین مغرب کا مرہون منت ہے اور عوام کی علمی سطح بھی انتہائی پست ہے۔ لہٰذا موجودہ فتنہ معتزلین کے فتنہ سے دوگونہ وجودہ کی بنا پر شدید تر ہے۔[61]

برصغیر پاک و ہند میں اس دور کے سرخیل سر سید احمد خان (۱۸۱۷-۱۸۹۸) ہیں۔ آپ نے مغربی ممالک میں تعلیم حاصل کی۔ اس دور میں یورپ صرف اسی بات کو ماننے پر تیار تھا جو عقل و تجربہ کی کسوٹی پر پوری اترتی ہو اور ہر وہ بات جو خارق عادت یا فوق الفطرت ہو۔ اہل مغرب کے ہاں ناممکن الوقوع اور خلاف عقل سمجھ کر رد کر دی جاتی تھی۔

دوسرے سر چارلس ڈارون کا نظریہ ارتقاء بھی منظر عام پر آچکا تھا۔ یہ سوال پہلے بھی فلاسفروں نے پیدا کیا تھا کہ آیا انسان اولادِ ارتقا ہے یا اس کی پیدائش کسی دوسری نوعیت سے ہوئی ہے ڈارون نے ۱۸۹۵ء میں ایک کتاب اصل الانواع (Origin of Spicies) لکھ کر یہ نظریہ مدوّن طور پر پیش کیا کہ انسان فی الواقع اولادِ ارتقاء ہے۔ یہ نظریہ انسان کو دہریت کی طرف لے جاتا ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ ڈاون خود پہلے خدا پرست تھے، پھر وہ دہریت کے مقام پر آگیا اور آخر میں دہریہ ہوگیا۔ اسی وجہ سے یہ نظریہ کمیونسٹوں میں مقبول ہوا اور وہ اس کا پرچار بھی کرتے ہیں۔[62]

---

[61] عقل پرستی اور انکار معجزات، مولانا عبدالرحمان کیلانی، ص 56، طبع دوم، مکتبہ السلام، لاہور۔
[62] ایضاً

تیسرے یہ دور خالص مادیت پرستی کا دور تھا۔ ہر کام کے زیبا اور نازیبا ہونے کا معیار دنیوی نفع و نقصان بن گیا تھا۔ علاوہ ازیں اس تہذیبِ نو نے مساواتِ مرد و زن کا نعرہ لگا کر کئی قسم کے مسائل کھڑے کر دیئے تھے جو اسلامی تعلیمات سے براہِ راست ٹکراتے تھے۔

"سر سید ان تمام افکار و نظریات سے شدید متاثر تھے۔ اور بعض خالص مادی وجوہ کی بنا پر مسلمانوں کی بھلائی اس بات میں سمجھتے تھے کہ مسلمان اس تہذیب و تمدن کو جوں کا توں اپنا لیں۔ اس غرض کے لئے آپ نے دو گونہ اقدام کئے ۔ ایک تو ۱۸۷۷ء میں علی گڑھ مسلم کالج کی بناڈالی اور دوسرے اسی دور میں تفسیر القرآن لکھ کر اپنے افکار و نظریات کو کھل کر قوم کے سامنے پیش کیا۔ اس دو گونہ اقدام سے آپ نے مسلمانوں کی نئی نسل میں مغربی افکار و نظریات بھر نے اور شریعت اسلامیہ کا حلیہ بگاڑنے کی جو خدمت سرانجام دی۔ اس پر کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔ [63]

آنچ گم ہر طرف دھواں ہی دھواں　　　　واۓ بر سعی سر سید احمد خاں

مولانا عبد الرحمان کیلانی سر سید احمد خان کی تفسیری خصوصیات کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں:

اس تفسیر میں آپ نے:

۱۔ انبیاء کے معجزات سے یا تو سرے سے ہی انکار کر دیا یا ایسی تاویل پیش کی کہ وہ معجزہ ہی نہ رہے۔ اگرچہ یہ تاویل بجائے خود کتنی ہی مضحکہ خیز کیوں نہ ہو۔

۲۔ معجزات کے علاوہ باقی خارق عادت امور میں، جو قرآن میں مذکور ہیں بھی ایسی ہی تاویلات پیش کیں جیسے جنت اور دوزخ کی کیفیات میں۔

---

[63] عقل پرستی اور انکار معجزات، مولانا عبد الرحمان کیلانی، ص 56،

۳۔ ڈارون کے نظریہ سے متاثر ہو کر حضرت آدم کے فردِ واحد یا ابوالبشر یا نبی ہونے سے انکار کر دیا اور نہیں بنی نوعِ انسان کا نمائندہ قرار دیا نیز فرشتوں اور ابلیس کے خارجی وجود سے بھی انکار کیا کیونکہ وہ عقل و تجربہ کی میزان پر پورے نہ اترتے تھے۔

۴۔ مسائل حاضرہ پر قلم اُٹھا کر موجودہ تہذیب کی ہم آہنگی میں اسلامی تعلیمات کا حلیہ کچھ اس طرح بگاڑا کہ بعض عقائد و نظریات کی جڑیں تک ہلا دیں۔[64]

یہ تھا سر سید احمد خان کا اسلوب اور اصول جس کو سامنے رکھ کر انہوں نے اپنی تفسیر مرتب کی اور انہوں نے تفسیر کے نام پر قرآنی مفاہیم میں وہ تحریفات کیں کہ اچھے اچھے روشن خیال لوگ ان کو ہضم نہ کر سکے۔ بلکہ ان کے قریبی رفقا بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ سر سید احمد خان نے اپنی تفسیر میں نہایت رکیک لغزشیں کی ہیں۔ ایسے لوگوں کی تعداد اگرچہ آٹے میں نمک کے برابر ہے لیکن یہ مصنفین ان بے عمل اور بد عمل لوگوں کے لئے فاسد اعمال کے جواز کی ایک وجہ چھوڑ گئے جو نفسانی خواہشات اور شیطانی جذبات سے مغلوب ہو کر احکام شرعیہ سے جان چھڑانا چاہتے تھے۔ ان مفسرین بلکہ ملحدین نے جو غلطیاں کی ان کی نوعیت اگرچہ مختلف تھی لیکن بنیاد سب کی ایک تھی کہ وہ انگریزی استعمار [illegible] کسی نہ کسی طور سے متاثر تھے۔

وہ مادر پدر آزاد انگریزی تہذیب کے رسیا تھے کہ یہ تہذیب ان کو اخلاق اور مذہب کی تمام پابندیوں سے آزاد کر کے ایک حیوانی زندگی جیسی چھوٹ فراہم کرتی تھی، وہ انگریزی دور میں یا موجودہ دور میں مغربی تہذیب کی قوت سے خوف زدہ تھے یا وہ مغربی علوم کی صداقت پر قرآن سے زیادہ یقین رکھتے تھے کہ ان کو قرآنی مفاہیم میں تبدیلی کرنا پڑی۔ ایسے لوگوں کے ڈانڈے کسی نہ کسی طرح استعمار سے ہی جڑے دکھائی دیتے ہیں۔ مولانا عبدالحق حقانی لکھتے ہیں:

"عمدہ تحقیقات جناب کا حال یہ ہے کہ وہ ملحدوں اور دہریوں اور بعض حکماء بیدین کے پرانے خیالات ہیں کہ جو اُن کی کتابوں میں اب تک موجود ہیں اور کچھ اس وقت کے پادریوں اور لامذہبوں کے اعتراضات ہیں مگر آپ نے اُن کو ذرا بدل کر لکھا ہے اور اُن کے ثبوت میں یہ کمال ضرور کیا ہے کہ قرآن و احادیث و کلام قدماء کو محرف کر کے عام لوگوں

---

[64] محولہ بالا ص ۵۴

کو شک میں ڈال دیا ہے حالانکہ یہ الحاد اور بے دینی کی باتیں آپ سے صد ہا سال پیشتر مشہور ہو چکی ہیں۔ علماء اسلام نے ان کے جواب شافی دیئے ہیں اور اس زمانہ میں جو کچھ دہریوں کے خیالات انگریزی اور فرانسیسی اور جرمنی اور عربی زبان میں بذریعہ کتب و اخبارات جو کچھ یورپ میں مشتہر ہوئے اور ہو رہے ہیں ان سے بھی اہل اسلام غافل نہیں۔ ان کے دندان شکن جواب جو اسلامیوں نے دیئے ہیں اُن کا عشر عشیر بھی حضور کے کان تک نہیں پہنچا۔ کچھ تنہا آپ ہی نے یورپ کی سیر نہیں کی ہے اور آپ اچھی طرح نہ عربی قدیم جانتے ہیں نہ جدید، نہ یونانی، نہ عبرانی، نہ یورپ کی اور زبانوں میں دستگاہ رکھتے ہیں پھر جو کچھ آپ کا مائہ تحقیقات ہے وہ خود پسندی اور عجب ہی"[65]

اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ ہر مغربی تعلیم یافتہ مفسر نے تفسیر قرآن میں غلطیاں کی ہیں بلکہ جیسا کہ سابقہ سطور میں ذکر ہوا کہ ان کی تعداد بہت کم تھی بلکہ اس "کار خیر" کی فہرست میں چند ایک افراد کے نام ہی شامل ہیں جن میں سر سید احمد خان سر فہرست ہیں۔

علمائے اسلام نے ہر غلط نظریئے کی طرح ان نظریات کی بھی دلائل کے ساتھ بھرپور تردید کی ہے۔ اس باب میں ان ملحدین کی چند ایک غلطیوں کی نشاندہی کر کے قرآنی آیات کے صحیح مفہوم کو دلائل کے ساتھ واضح کیا جائے گا

ا۔ انکار ملائکہ

سر سید احمد خان نے اپنی تفسیر میں اکثر و بیشتر ان امور کا انکار کیا ہے جو غیب سے تعلق رکھتی ہیں مثلاً معجزات انبیاء، ملائکہ اور شیطان کا وجود وغیرہ۔ سر سید احمد خان نے ان چیزوں کے وجود کی بالکل نفی نہیں کی کیونکہ قرآن میں ان ذکر بکثرت اور بارہا ہوا ہے بلکہ انہوں نے کان کو دوسری طرف سے پکڑنے کی کوشش کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ فرشتوں کا علیحدہ سے کوئی وجود نہیں بلکہ ہر فرشتے کا نام کسی علیحدہ صفت باری کی نمائندگی اور نشاندہی کرتا ہے۔ اس حوالے سے ان کا کہنا ہے:

---

[65] مقدمہ تفسیر حقانی، مولانا عبد الحق حقانی، ص 31،

"جبریل ومیکائیل یہودیوں نے فرشتوں لے لئے نام مقرر کئے تھے اور ان کے ہاں ساتھ فرشتے نہایت مشہور فرشتوں میں ہیں مگر اس کا ثبوت نہیں کہ کسی نبی نے ان کو بتایا تھا کہ یہ فرشتوں کے نام ہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحف انبیا میں کوئی صفت، صفات باری میں سے کسی خاص لفظ کے ساتھ تعبیر کی گئی تھی پھر رفتہ رفتہ وہ لفظ فرشتہ کا نام متصور ہونے لگا"[66]

لیکن سرسید کی یہ بات کئی ایک وجوہ سے قابل اعتبار نہیں مولانا حقانی رقمطراز ہیں:

"۱۔ دیکھئے کتاب دانیال باب ۸ میں یوں ہے:

"ایک آواز آئی کہ اے جبرئیل اس شخص کو اس رویاء کا مطلب سمجھا دے"۔

اگر دانیال آپکے نزدیک نبی نہیں ہیں تو یہ اور بات ہو ورنہ دانیال پیغمبر علیہ السلام کی زبان سے جبرئیل کا نام صاف معلوم ہوتا ہے۔

اسی طرح انجیل باب ۱۹ میں یوں ہے:

"فرشتے نے خواب میں اُس سے کہا میں جبرئیل ہوں جو خدا کے حضور حاضر رہتا ہوں"

۲۔ دوم آپکا یہ فرمانا کہ صحف انبیاء الخ دعویٰ لادلیل ہے وہ کونسا صحیفہ ہے کہ جس میں جبرئیل ومیکائیل کو صفت باری لکھا ہو ذرا اُسکا تو حوالہ دیجئے

۳۔ سوم یہ قول آپ کا کہ رفتہ رفتہ وہ لفظ فرشتہ کا نام متصور ہونے لگا۔ آپ کے ہی لئے مضر ہے کیونکہ جب بقول آپ کے فرشتہ کوئی جداگانہ وجود ہی نہیں رکھتا تو پھر اُن اہل کتاب یہود نے کس شئے کا نام فرشتہ رکھا تھا؟

---

[٦٦] تفسیر قرآن، سرسید احمد خان ص ۱۴۱، دوست ایسوسی ایٹس، اردو بازار، لاہور۔ طبع ۱۹۷۴

۴۔ چہارم اگر بالفرض اس صفت کو فرشتے کا نام مقرر کر لیا تھا تو اس سے فرشتے کے وجود کی جداگانہ کی نفی کیونکر سمجھی گئی؟ غایہ الامر یہ بات کہ وہ نام منقول ہوگا کسائر الاسماء المنقولۃ

مثلاً ریل کسی شخص کا نام رکھا جاوے تو یہ نہ لازم آئیگا کہ سوائے اس کے ریل گاڑی کا وجود نہو"[67]

مزید ارشاد ہے:

"(جبرئیل) عبری میں اس کے معنی قوت اللہ یا قدرت اللہ کے ہیں

ا۔ یہ لفظ دانیال پیغمبر کے کتاب میں آیا ہی الخ

۲۔ لوقا نے جو انجیل لکھی ہے اس کے پہلے باب میں جبرئیل کا ذکر ہے"[68]

اسی طرح میکائیل فرشتے کے حوالے سے مزید کا ارشاد ہے:

"میکائیل کے معنی عبری میں من کا اللہ کے ہیں۔

ا۔ دانیال کی کتاب میں اور اُنکی خوابوں میں یہ لفظ آیا ہے۔

۲۔ مشاہدات یوحنا میں بھی یہ لفظ آیا ہے الخ[69]

---

[67] مقدمہ تفسیر حقانی، مولانا عبدالحق حقانی، ص 31،

[68] تفسیر قرآن، سرسید احمد خان ص ۱۴۵،

[69] ایضاً

لیکن سر سید ان دو لفظوں کا حوالہ دے کر خود اپنے ہی خلاف حجت قائم کر لی ہے مولانا حقانی نے ان کو یاد دلایا کہ:

"اس سہو و نسیان کا کیا ٹھکانا ہے ابھی ابھی تو آپ فرما چکے ہیں کہ اسکا ثبوت نہیں کہ کسی نبی نے ان کو بتایا تھا کہ یہ فرشتوں کے نام ہیں۔ آپ کو لازم تھا کہ اس پیرانہ سالی میں کہ انسان کے حواس بجا نہیں رہتے اس بڑی بھاری بات کا بیڑا نہ اٹھاتے کہ تیرہ سو برس کے بعد میں ہی تو ایک ہوں کہ جو قرآن کے اصلی معنی سمجھا ہوں اور سب اگلے پچھلے غیر محقق تھے"[70]

سر سید احمد خان پھر فیصلہ کن بات کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"بہر حال ہم کو اس میں کچھ شبہ نہیں کہ یہ الفاظ صفات باری پر مستعمل تھے آخر کو انہیں الفاظ کو فرشتوں کا نام سمجھنے لگے الخ"[71]

لیکن سر سید احمد خان ایک جگہ بھی یہ حوالہ نہیں دے سکے کہ یہ الفاظ کسی بھی آسمانی کتاب میں سر سید کے مزعومہ مفہوم میں استعمال ہوئے ہیں۔ مولانا حقانی نے درست مطالبہ کیا کہ:

"کاش آپ ایک آدھ جگہ بھی قرآن مجید یا توراۃ و انجیل سے یہ الفاظ کا جو فرشتوں پر بولے جاتے ہیں صفات باری پر استعمال ہونا ثابت کر دیتے"[72]

سر سید احمد خان کا خیال ہے کہ یہ نام قرآن سے ثابت نہیں بلکہ علمائے اسلام نے یہود کی پیروی میں لکھ دیئے ہیں سر سید لکھتے ہیں:

---

[۷۰] مقدمہ تفسیر حقانی، مولانا عبدالحق حقانی، ص 37،

[۷۱] تفسیر قرآن، سر سید احمد خان ص ۱۴۵، محولہ بالا

[۷۲] مقدمہ تفسیر حقانی، مولانا عبدالحق حقانی، ص 37،

"مگر ہمارے ہاں کے علماء نے بھی یہودیوں کی تقلید سے اُن کو فرشتوں کے نام قرار دیے ہیں الخ"[73]

اسی طرح مزید لکھتے ہیں

"علماء یہ بھی سمجھتے ہیں کہ جبرئیل بڑے زباں داں ہیں الخ غالباً اسی سبب سے مسلمانوں نے تصور کیا ہے کہ یہی حد اکی وحی یعنی قرآن کی آیتیں خدا سے سُنکر یاد کرتے تھے اور آنحضرت کو آکر سناتے تھے"[74]

لیکن یہاں سید صاحب شعوری یالاشعوری طور پر کچھ حقائق کو چھپانے کی کوشش کی ہے ملاحظہ ہو تفسیر حقانی کا یہ اقتباس :

"سید صاحب یہ پردے کی بات اچھی نہیں علماء بیچاروں کو یہود کے مقلد کیوں کہتے ہو منزل قرآن ہی کو صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ جس نے اپنے قرآن میں ان الفاظ کو یہود کے استعمال اور خیال کے موافق استعمال کیا ہے۔ خود خدا نے یہ فرمایا ہے کہ جبرئیل وحی لاتے ہیں کما قال اللہ تعالیٰ:

عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى ۝٥ (النجم: ٥)

پھر یہ تقلید یہود کی بدگمانی آپ خدائے پاک پر کریں آپ کو اختیار۔"[75]

شیطان کا انکار

---

[73] تفسیر قرآن، سرسید احمد خان ص۱۴۵، محولہ بالا

[74] تفسیر قرآن، سرسید احمد خان ص۱۴۱، محولہ بالا

[75] مقدمہ تفسیر حقانی، مولانا عبدالحق حقانی، ص37،

ملائکہ کی طرح سید صاحب نے شیطان کے الگ وجود کا بھی انکار کیا ہے۔ ملائکہ کو تو صفات باری میں فٹ کر دیا جبکہ شیطان کے لئے انہوں نے انسان کا انتخاب کیا اور فرماتے ہیں :

"غرضکہ تمام محققین اس بات کے قائل ہیں کہ اُنہیں قویٰ کو جو انسان میں ہیں اور جن کو نفس امارہ یا قویٰ بہیمیہ سے تعبیر کرتے ہیں یہی شیطان ہے"[76]

تمام محققین سے آنجناب کی کیا مراد ہے اس کی آپ نے وضاحت نہیں کی یا کم از کم اتنا تو کر دیتے کہ ایک آدھ کی وضاحت کر دیتے تاکہ سند ہو جاتی :

"تمام محققین سے آپ کی مراد حقہ پینے والے ہونگے ورنہ اہل تحقیق تو کیا ذرا سی عقل والے بھی ایسی بے سر بات نہ کہیں گے پھر ایسی ہی بے بنیاد بات پر یہ غل تھا کہ تہذیب الاخلاق کے پرچے کے پرچے اس بارے میں سیاہ کر دیئے اور تفسیر القرآن کو انہیں مضامین سے بھر دیا۔

جناب عالی یہ تو آپ کا پرانا خیال راسخ ہے آپ اس غلطی سے کاہے کو باز آئیں گے "[77]

سرسید احمد خان مزید لکھتے ہیں :

"اصل یہ ہے کہ ان آیتوں میں خدا مقالی انسان کی فطرت کو اور اس کے جذبات کو بتلاتا ہے اور جو قویٰ بہیمیہ اس میں ہیں ان کی بُرائی یا اُن کی دشمنی سے اس کو آگاہ کرتا ہے مگر یہ ایک نہایت دقیق راز تھا جو عام لوگوں کے اور بات چرانے والوں کی فہم سے بہت دور تھا الخ"[78]

---

[76] تفسیر قرآن، سرسید احمد خان ۲۵، محولہ بالا

[77] مقدمہ تفسیر حقانی، مولانا عبدالحق حقانی، ص 45، محولہ بالا

[78] تفسیر قرآن، سرسید احمد خان ۲۵، محولہ بالا

سید صاحب نے حسب سابق پھر حوالہ نہیں دیا اور مزید یہ بھی کہہ دیا کہ یہ (یعنی قوی بہمیہ کا ہی شیطان ہونا) تو یقیناً عام لوگوں اور اونٹ چرانے والوں کی فہم سے بہت دور تھا۔ حالانکہ دوسری جگہ ان کے مستقل وکیل اور ترجمان لکھتے ہیں کہ قرآنی آیات ایک بدو اور عالم کو یکساں طور پر سمجھ آنی چاہیئں وہ کہتے ہیں:

"ضروری تھا کہ قرآن مجید کی ہدائیتں اس طرح بیان کی جائیں کہ اس سے ایک سحرائی اُونٹ چرانے والا بدو اور ایک اعلیٰ درجہ کا حکیم سقراط برابر فائدہ اُٹھائیں۔ قرآن مجید ہی ایسا کلام ہے جسمیں یہ صفت موجود ہے اور جس سے مختلف درجوں بلکہ متضاد حیثیتوں کے لوگوں کو یکساں ہدایت ہوتی ہے۔ ایک جاہل بدو اود ایک مقدس مولوی اس کے معانی سے جیسی ہدایت پاتا ہے، ایسا ہی ایک لا فلاسفر انہی الفاظ کے مقصود سے ویسی ہی ہدایت پاتا ہے اور کسی لفظ کو نیچر یا فسفہ کے خلاف نہیں پاتا۔"[79]

تخلیق آدم کے قصہ میں چار فریق قرآن کریم نے بیان کئے۔ سید صاحب نے ان میں سے تین کی تاویل کردی اور ایک کو حقیقت پر مان لیا:

"اس قصہ میں چار فریق بیان ہوئے ہیں ایک خدا دوسرے فرشتے (یعنی قوی ملکوتی) تیسرے ابلیس یا شیطان یعنی قوی بہمیہ چوتھے آدم یعنی انسان جو مجموعہ اُن قویٰ کا ہے اور جس میں عورت و مرد دونوں شامل ہیں الخ"[80]

سید صاحب کے مطابق یہاں

فرشتے سے قوی ملکوتی

ابلیس سے قوی بہمیہ

آدم سے مذکورہ بالا دونوں قوی کا مجموعہ

---

[۷۹] حیات جاوید بحوالہ پاکستان کا معمار اول، ص 57، ادارہ طلوع اسلام، لاہور

[۸۰] تفسیر قرآن، سر سید احمد خان ۲۵، محولہ بالا

مراد ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی اور چیز کے لئے استعمال نہیں ہوا۔ مولانا حقانی کا سوال بجا ہے :

"یہاں ایک بات اور آپ سے رہ گئی شاید دوبارہ جب آپ کی تفسیر چھپے (خدانخواستہ) آپ اس کی اصلاح دیں یا آپ کے بعد کوئی آپکا سجادہ نشین اس کو پورا کر دے ،وہ بات ہے کہ آپ نے یہاں چار فریق بتائے خدا آدم ملائکہ اور شیطان۔ آدم، ملائکہ اور شیطان کی تو آپ نے تاویل کر دی اور کچھ کا کچھ مراد لے لیا ہے مگر چوتھے فریق خدا میں آپ نے کیوں تاویل نہ کی؟ یہاں بھی "دہریا" پراکرتی" کہہ دیتے سارا جھگڑا ہی سلجھا تا۔ "رموز مملکت خویش خسرواں دانند" کوئی مصلحت ضرور ہے کہ جس سے تاویل نہ کی۔ اچھا آگے چلئے قولہ "خدا جو سب کا پیدا کرنے والا ہے گویا (یہ گویا اب کیا ہے) قومی ملکوتی کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ میں ایک مخلوق یعنی انسان کثیف مادہ سے پیدا کرنے ہوں وہی میرا نائب ہونے کے قابل ہے جب میں اُس کو پیدا کر چکوں تم سب اس کو سجدہ کرنا الخ"۔ یہاں آپ کی توجیہ سے بھی یہ بار معلوم ہوتی ہے کہ آدم سے پیشتر وہ قومی ملکوتی موجود تھیں کہ جن سے خدا نے کلام کیا اور آدم کے پیشتر اس سے یہ فرمایا کہ جب میں اُس کو پیدا کر چکوں تو اُس کو سجدہ کرنا۔ آپ انصاف سے فرمایئے کہ وہ قومی ملکوتی آدم کا جزء کیونکہ ہو سکتی ہیں آدم کے جملہ قویٰ خواہ ملکوتی یا بہیمی اُس کے پیدا ہونے کے بعد یا ساتھ اس پر ودیعت رکھی گئی تھیں نہ کہ قبل پیدائش پس آپ کا چوتھا فریق کہ ملائکہ سے مراد قوی ملکوتی ہیں شیخ چلی کے گھر کی مانند بن کر بگڑ گیا یا نہیں ؟"[81]

دراصل سید صاحب نقل را عقل باید والے مقولے کو بھول گئے اسی وجہ سے ان سے بار بار "نہایت رکیک اعتراض "ہوتی ہے۔

انکار جنت

سرسید نے ملائکہ اور شیطان کی طرح اور بھی عقل میں نہ آنے والی اشیا کا انکار کیا ہے اور اس فہرست میں جنت اور دوزخ بھی شامل ہیں۔ سید صاحب جنت کے الگ سے وجود کے منکر ہیں ان کے نزدیک تمام حدود و قیود سے مبرا ہونا ہی جنت کہلاتا ہے وہ لکھتے ہیں :

---

[81] مقدمہ تفسیر حقانی، مولانا عبدالحق حقانی، ص 45، محولہ بالا

"اس کے بعد خدا تعالیٰ نے انسان کی زندگی کے دونوں حصوں کو بتایا ہے پہلے حصے کو یعنی جب کہ انسان غیر مکلف اور تمام قیود سے مبرّا ہوتا ہے بہشت میں رہنے اور چین کرنے اور میووں کے کھاتے رہنے سے تعبیر کیا ہے۔"[82]

حسب سابق سید صاحب نے یہاں بھی اپنے نظریئے کے انجام اور نتائج پر غور نہیں کیا یا پھر وہ ان سوالات کے جوابات تو دیتے:

"یہاں سے معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک جنت اسی کا نام ہے۔ اور جنت آلٰہی آپ کے نزدیک اہل اسلام کے خیالات ہیں مگر ہم کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ تمام قیود سے مبّرا رہنے کے کیا معنی ہیں؟ اگر یہ مراد ہے کہ زمانہ بے عقلی اور نا بالغی تو اہل عقل وادراک کے نزدیک یہ نہایت پستی کا زمانہ ہے کہ اس وقت میں نفس کمالات علمیہ وعلمیہ سے خالی تھا۔ عقل ہیولانی کے مرتبہ میں ہوتا ہے اس زمانہ کو جنت کہنا سید جیسے لوگوں کا کام ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ بالغ ہونے کے بعد بے قید ہو کر چین کرنا اور دل کھول کر شہوت رانی کرنا جنت ہے کہ جس کو شعرا جنت باندھتے ہیں تو یہ ناپاک لوگوں کی جنت ہے انہی کو مبارک رہے اور تیسرے معنی غیر مکلف اور تمام قیود سے مبرا رہنے کی بحکم المعنی فی بطن الشاعر آپ کے ہی ذہن میں ہوں تو ہوں۔"[83]

حالانکہ ایک جگہ خود سید صاحب نے جنت کے وجود کا اقرار بھی کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"اخیر کو نہایت عمدگی سے اس کا خاتمہ بیان کیا ہے کہ تم سب نکل جاو(یہ تو کہو کہاں سے) اور جا کر زمین پر رہو یہاں تو آپ نے صاف اقرار کر لیا کہ آدم جنت سے نکالے گئے ورنہ آپ زمین اور جنت کی ہی کچھ تدوین کرتے"[84]

انکار معجزات

---

82 تفسیر قرآن، سرسید احمد خان ۲۵، محولہ بالا

۸۳ مقدمہ تفسیر حقانی، مولانا عبدالحق حقانی، ص 37، محولہ بالا

۸٤ ایضاً

اللہ تعالیٰ نے بعض اوقات اپنے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لئے معجزات کا ظہور فرمایا۔ یہ
ایسی چیزیں تھیں جو عام طور پر ممکن الوقوع نہیں تھیں اور اسی وجہ سے ان پر لوگ ایمان لاتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کو
معجزہ یعنی عاجز کر دینے والا کام کہا جاتا ہے اب سوال یہ ہے کہ کیا ایسے معجزات یا خرق عادت امور کو من و عن قبول کر لینا
چاہیے یا ان کی تاویل پیش کر کے ان کو کسی مخصوص دور کی علمی سطح تک لے آنا چاہیے؟ جیسا کہ عقل پرستوں کا شیوہ ہے۔
اب دیکھئے اس سوال سے پہلے یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے اور وُہ یہ ہے کہ آیا انسان اشیائے کائنات کے خواص اور
قوانین کا پوری طرح احاطہ کر چکا ہے؟ اگر تو اس سوال کا جواب ہاں میں ہے جیسا کہ سرسید احمد خاں جو کم از کم ہندوستان
میں عقل پرستوں کے پیشوا تسلیم کئے گئے ہیں۔ خود بھی لکھتے ہیں۔

"قوانین قُدرت ہم کو معلوم نہیں اور جو معلوم ہیں وہ نہایت قلیل ہیں اور ان کا علم بھی پورا نہیں بلکہ ناقص ہے
۔اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب کوئی عجیب امر واقع ہو اور اس کے وقوع کا کافی ثبوت بھی ہو اور اس کا وقوع معلومہ قانون قدر
ت کے مطابق بھی نہ ہو سکتا ہو اور یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ بغیر دھوکہ و فریب کے فی الواقعہ ہوا ہے تو یہ تسلیم کرنا
پڑے گا کہ فی الواقعہ بلاشبہ اس کے وقوع کے لئے کوئی قانونِ قدرت ہے مگر اس کا علم ہم کو نہیں کہ خلاف قانون
قدرت کوئی امر نہیں ہوتا اور جب وُہ کسی قانونِ قدرت کے مطابق واقع ہوا ہے تو وہ معجزہ نہیں کیونکہ ہر وہ شخص جس کو وہ
قانون معلوم ہو گیا۔ واقعہ کو کر سکے گا۔"[85]

آگے چل کر لکھتے ہیں

"۔۔۔۔ حکماء و فلاسفہ نے معجزات یا کرامات کا انکار خواہ کسی وجہ سے کیا ہو ہمارا انکار صرف اس بنا پر نہیں کہ وہ
مخالف عقل کے ہیں اور اس لئے انکار کرنا ضروری ہے بلکہ ہمارا انکار اس بنا پر ہے کہ قرآن مجید سے معجزات [illegible]
ظہور امور کا بطور خرق عادت یعنی خلافِ فطرت یا خلافِ حقیقت کے امتناع پایا جاتا ہے جس کو ہم مختصر لفظوں میں یوں
تعبیر کرتے ہیں کہ کوئی امر خلافِ قانون قدرت نہیں ہوتا۔"[86]

---

[۸۵] تفسیر القرآن، سرسید احمد خان، ص ۵۷

[۸۶] تفسیر القرآن، سرسید احمد خان، ص ۵۷

ان سطور سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ سید صاحب معجزہ کا اقرار فرما رہے ہیں یا انکار؟ دراصل آپ کے اقرار میں بھی ہزار ہا انکار پوشیدہ ہیں۔ ایک طرف آپ یہ فرماتے ہیں کہ کوئی امر خلافِ قانون قدرت نہیں ہوتا دوسری طرف یہ بھی اعتراف ہے کہ قوانین قدرت کا انسان احاطہ نہیں کر سکتا۔ تو اس سے تو معجزات کا اقرار ثابت ہوتا ہے نہ کہ انکار۔

بعض مقامات پر ترش جملے

سید صاحب کے حوالے سے یہ بات مشہور ہے کہ وہ بہت ہی زیادہ مہذب اور بااخلاق انسان تھے اور وہ دوسرے تمام مسلمانوں کو بھی ایسا ہی دیکھنا چاہتے تھے اور اسی کے لئے انہوں نے پرچہ "تہذیب الاخلاق" جاری کیا تھا لیکن بعض جگہ وہ علما کے بارے میں سخت جملے کہہ گئے ہیں۔ چند ارشادات ملاحظہ ہوں

۱۔ مگر یہ ایک نہایت دقیق راز تھا جو عام لوگوں کے اور اونٹ چرانے والوں کی فہم سے بہت دور تھا الخ

۲۔ بہت سے علماء اسلام نے جن کو اس قسم کے قصص میں یہودیوں کی پیروی کرنے کی عادت پڑ گئی ان کی پیروی کر کے نے کہا کہ یہ جنت زمین پر تھی الخ

۳۔ مگر ہمارے ہاں کے علماء نے بھی یہودیوں کی تقلید سے اُن کو فرشتوں کے نام قرار دیئے ہیں الخ

۴۔ بہت سے علماء اسلام نے جن کو اس قسم کے قصص میں یہودیوں کی پیروی کرنے کی عادت پڑ گئی ان کی پیروی کر کے نے کہا کہ یہ جنت زمین پر تھی الخ

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور فقہی مسائل کا انکار

سید صاحب کا فہم دین اس قدر بلند اور برتر تھا کہ ان کی نظر میں احادیث، تفاسیر اور فقہ سب نا قابل حجت ہیں۔ حیات جاوید کے مصنف حالی مرحوم، سر سید کے خیالات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اسلام کے متعارف مجموعہ میں سے وہ حصہ جس کو تمام مسلمان ملہم من اللہ سمجھتے ہیں اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہاتھوں ہاتھ ہم تک پہنچا ہے۔ صرف وہ حصہ اس بات کا استحقاق رکھتا ہے کہ جس قدر جو بات اس کی مسائل حکمت کے خلاف معلوم ہو اس میں اس میں اور مسائل حکمت میں تطبیق کی جائے یا مسائل حکمیہ کی غلطی ثابت کی جائے۔ انہوں نے جیسا کہ حضرت عمرؓ سے منقول ہے "حسبنا کتاب اللہ" کہہ کر اپنے جدید علم کا موضوع در اصل کا حقیقی مصداق صرف قرآن مجید کو قرار دیا اور اس کے سوا تمام مجموعہ حدیث کو اس دلیل سے کہ ان میں کوئی حدیث شک سے کے قطعی الثبوت نہیں ہے اور تمام علماء و مفسرین کے اقوال و آراء اور تمام فقہا و مجتہدین کے قیاسات و اجتہادات کو اس بنا پر کہ ان کے جواب وہ خود علماء مفسرین اور فقہاء و مجتہدین ہیں نہ کہ اسلام، اپنی بحث سے خارج کر دینے کی ضرورت سمجھ رکھے کر سر سید نے قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔[87]

نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے تمام فرقوں نے بالاتفاق سر سید پر کفر کا فتوے لگا دیا۔ ادارہ طلوع اسلام اس فتویٰ پر تبصرہ کرتے ہوئے یوں لکھتا ہے کہ:

" طرفہ تماشا یہ ہے کہ مختلف مذہبی فرقوں کے وہ اجارہ دار جو دین خدا کے کسی اصول پر بھی متفق نہ ہو سکے اور ہمیشہ دوسرے فرقہ کو کافر سمجھا کئے ان کا اجماع ہوتا ہے تو اس دیوانہ ملت کی تکفیر پر جس نے گرتے ہوئے ... پوری ملت کو موت سے بچا کر نئی زندگی عطا کی"۔[88]

انکار حدیث کے حوالے سے ایک اور معروف شخصیت پر بھی جب کفر کا فتویٰ لگا تو وہ بھی اس پر سخت نالاں ہوئے اور لکھتے ہیں:

"اس سے بھی بڑھ کر ایک اور سوال سامنے آتا ہے کہ وہ یہ کہ ان حضرات کو (یا کسی اور کو) یہ اختیار کہاں سے مل جاتا ہے کہ وہ کسی کے کفر اور اسلام کا فتویٰ صادر کریں؟ علماء کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے کسی مذہبی مدرسہ سے کچھ کتابیں پڑھی ہیں تو کیا ان کتابوں کے پڑھ لینے سے کسی کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ جسے چاہے کافر قرار دے دے؟

---

٨٧ حیات جاوید بحوالہ پاکستان کا معمار اول، صفحہ ۷۵، محولہ بالا

٨٨ حیات جاوید بحوالہ پاکستان کا معمار اول، صفحہ ۷۳، محولہ بالا

تو کیا جناب پرویز صاحب یہ بتانے کی تکلیف گورا فرمائیں گے کہ خود پرویز صاحب کو کسی دینی مدرسہ سے کچھ کتابیں پڑھے بغیر ہی یہ اتھارٹی کہاں سے حاصل ہو گئی ہے اور وہ جسے ان کا جی چاہے منافق بتادیں اور لوگوں کے خلاف نفاق کا فتویٰ صادر فرمادیں۔

---

[۹۰] پمفلٹ کافر گری ص، ۳۲، ادارہ طلوع اسلام، لاہور

[۹۱] دبستان المذاہب، بحوالہ تفسیر حقانی، ص۴۵، محولہ بالا

[۹۲] ایضاً

عربیت میں کمزوری

عہد استعمار کے کچھ مفسرین میں ایک کمی یہ بھی نظر آتی ہے کہ وہ عربی زبان سے کماحقہ واقف نہیں ہوتے [illegible] وجہ سے بعض اوقات غلط تراجم اور تفاسیر سامنے آتی ہیں مثلاً جاوید احمد غامدی سورہ اعلیٰ کی آیت

فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی (الاعلیٰ:۵)

کا ترجمہ کرتے ہیں "گھنا سرسبز و شاداب" سے کرتے ہیں۔[92] حالانکہ اردو کے تمام مترجمین نے اس کا ترجمہ [illegible] کوڑے اور خس و خاشاک" سے کیا ہے۔

اور یہی کمزوری ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کے ترجمہ میں نظر آتی یہی وجہ ہے کہ مولانا اشرف علی تھانوی نے ان اغلاط کی نشاندہی کے لئے الگ سے رسالہ لکھا۔ مولانا محمود الحسن نے کئی ایک اغلاط کی نشاندہی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"یمدہم فی طغیانہم۔ اس آیت کے ترجمہ میں نذیر احمد صاحب وغیرہ مترجموں نے سب نے غلطی کی ہے کہ فی طغیانہم کو یعمھون کے متعلق کیا ہے۔"[93]

تفسیری ادب پر استعماری تسلط کے مثبت اثرات

استعماری ادب نے تفسیر ادب پر کچھ مثبت اثرات بھی مرتب کئے ہیں ذیل میں ان کا ایک اجمالی جائزہ پیش ہے۔

تفاسیر قرآن کی بجائے تراجم کو ترجیح

---

[92] البیان، جاوید احمد غامدی، المورد، لاہور طبع دوم 2003

[93] مقدمہ تفسیر عثمانی، ص9

قرآن کریم کے سینکڑوں عجمی زبانوں میں ہزاروں تراجم ہوئے ہیں کئی ایک اداروں نے ان تراجم کی فہرست بھی مرتب کی ہے۔ بادی النظر میں تو یہ قرآن کی تفہیم کے حوالے سے کی جانے والی متعدد اور متنوع کاوشوں میں سے ایک ہے اور یہ تو طے ہے کہ قرآن کی تفہیم کے حوالے سے کی جانی والی ہر کاوش قابل تعریف اور مستحسن ہے۔ دنیا کی کئی زبانیں تو ایسی ہیں کہ ان میں سو سے زائد تراجم موجود ہیں۔ اردو کو ہی دیکھ لیں چھوٹے سے لے کر بڑے بڑے علماء تک نے بڑی عرق ریزی اور گہرائی کے ساتھ قرآن کے مفہوم کو ادا کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ خود میں نے بھی اپنی مادری زبان "میواتی"[94] میں پہلا ترجمہ کرنے کی ٹوٹی پھوٹی کاوش کی ہے۔ فہم قرآن میں تراجم قرآن کے کردار کو سمجھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ترجمہ کا تحقیقی مطالعہ کر لیا جائے۔

لفظ ترجمہ کا معنی و مفہوم

ترجمہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی صاحب منجد نے یوں بیان کیا ہے

"ترجم الکلام: فسرہ بلسان آخر"[95]

فارسی میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں استعماہ ہوتا ہے۔ لغات فارسی میں ہے:

تراجم: ترجمان کی جمع، کلام کو ایک زبان سے دوسری زبان میں بیان کرنے والے[96]

عربی اور فارسی کی طرح اردو میں بھی ترجمہ اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ فیروز اللغات میں ہے۔

تراجم: ترجمہ کی جمع، ایک زبان کو دوسری زبان میں منتقل کرنا[97]

---

[٩٤] ترجمۃ الآیات فی لسان المیوات، حامد محمود راجہ، جامعہ مسجد عثمانیہ، چک 55، قصور طبع اول 2005

[٩٥] المنجد، لویس معلوف، مادہ ترجم، دار المشرق، بیروت، طبع ٣٥، ١٩٩٦

[٩٦] لغات فارسی، مادہ، ت۔ ر، دار عمر فاروق، حضرو، طن، س ن

انگریزی میں اس کا متبادل لفظ translation ہے۔ آکسفرڈ کی ڈکشنری میں ہے

The process of changing some thing that is written or spoken in to an other language [98]

یعنی ایک زبان کی تحریر یا تقریر کو دوسری زبان میں منتقل کرنا

ترجمہ کی پھر اسلوب کے لحاظ سے دو اقسام ہیں۔ ڈاکٹر محمود احمد رامیار لکھتے ہیں:

ترجمہ معمولا بہ دو قسم: ترجمہ لفظی و ترجمہ معنوی می شود [99]

ترجمہ عموماً دو قسم کا ہوتا ہے لفظی اور معنوی

اردو تراجم قرآن میں یہ دونوں اسلوب بہت معروف ہیں شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین نے قرآن کریم کے [illegible] بامحاورہ اور لفظی ترجمے کئے ہیں

ترجمے کے حوالے سے درج ذیل اقتباس ملاحظہ ہو:

ترجمہ مستقل ایک فن ہے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں اس کی ضرورت واہمیت مسلم ہے، تراجم کی مختلف اصناف میں [illegible] تراجم سب سے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ اس لئے کہ ایک سروے کے مطابق دنیا بھر کے جملہ تراجم کی خدمات میں [illegible]

---

۹۷ فیروز اللغات، مادہ ت۔ ر، فیروز سنز، لاہور۔ ط ن، س ن۔

۹۸ آکسفرڈ ڈکشنری، آکسفرڈ یونیورسٹی پریس، طبع ہفتم ۲۰۰۵

۹۹ تاریخ قرآن، ڈاکٹر محمود احمد رامیار، موسسہ انتشرات امیر کبیر، تہران، طبع دوم ۱۳۶۲ھ

سے زائد خدمات مذہبی تراجم پر مشتمل ہیں قرآن پاک کا سب سے پہلے لاطینی پھر فرانسیسی اور پھر انگریزی میں ہوا۔ ایک سروے کے مطابق دنیا میں چھ ہزار پانچ سو زبانیں بولی جاتی ہیں ان میں سے دو ہزار تین سو چھپن زبانوں میں انجیل کا ترجمہ ہو چکا ہے اور مسلمان تجزیہ نگاروں کا دعوی ہے کہ قرآن مجید کا ترجمہ دنیا کی اکثر زبانوں میں ہو چکا ہے۔ اردو زبان آج سے چھ سات صدی پہلے وجود میں آئی ترجمہ کی روایت اس میں دو سو سال بعد شروع ہوئی۔ اس زبان میں سب سے پہلے "تمہیدات عین القضاۃ" کا ترجمہ تمہیدات ہمدانی کے نام سے شاہ میراں جی خدا نما نے ۱۶۰۳ء میں کیا۔[100]

لیکن قرآن کریم کے تراجم کی روایت اردو میں ذرا دیر بعد شروع ہوئی اور اس کی بنیاد اس وقت پڑی جب شاہ ولی اللہ نے قرآن کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ ان کے بعد ان کے دو صاحبزادوں نے قرآن کریم کے اردو میں تراجم کئے۔ شاہ عبدالقادر اپنے ترجمہ موضح القرآن کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

اس بندے عاجز عبدالقادر کے خیال میں آیا کہ جس طرح ہمارے بابا صاحب بہت بڑے، شیخ ولی اللہ عبدالرحیم کے بیٹے، سب حدیثیں جاننے والے، ہندوستان کے رہنے والے نے فارسی زبان میں قرآن کے معنی آسان کر کے لکھے ہیں، اسی طرح عاجز نے ہندی زبان میں قرآن شریف کے معنی لکھے۔[101]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اردو تراجم کو تحریک فارسی ترجمے سے ملی۔ شاہ ولی اللہ کا یہ فارسی ترجمہ شاہ فہد پرنٹنگ پریس سے بھی شائع ہو رہا ہے، ادارے کے مدیران لکھتے

يطيب لمجمع الملک فہد لطباعة المصحف الشريف بالمدينہ المنورہ ان يقدم للقارى الكريم هذه الترجمة الفارسية التى قام بها الشيخ شاه ولى الله الدهلوى[102]

---

[100] ترجمہ نگاری اور ابلاغیات، ص ۶۷، مولانا آزاد انٹرنیشنل یونیورسٹی حیدر آباد، انڈیا

[101] مقدمہ موضح القرآن، شاہ عبدالقادر، ص ۶، تاج کمپنی لمیٹڈ۔ لاہور طبع ۲۰۰۴

شاہ فہد پرنٹنگ کمپلیکس (مدینہ منورہ) کے لئے یہ بات باعث فخر ہے کہ وہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے قرآن [illegible]
اپنے معزز پڑھنے والوں کی خدمت میں پیش کر رہا ہے۔[102]

لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ شاہ عبدالقادر کا یہ ترجمہ قدیم ہوا تو مولانا محمود الحسن نے ان ہی کو [illegible]
سامنے رکھ کر ایک عمدہ ترجمہ کیا اور اب اردو تراجم کی تعداد اسلامی کتب خانوں میں ساٹھ سے زیادہ ہو چکی ہے [illegible]
یہ سلسلہ صرف متن قرآن کے تراجم تک ہی محدود نہیں بلکہ عربی تفاسیر کے بھی اردو میں تراجم ہو رہے ہیں [illegible]
احمد لکھتے ہیں:

"بارہ تفسیروں کے کل تیئس ترجمے میرے محدود استقراء میں آئے ہیں۔۔۔۔۔الحمد للہ یہ سارے ترجمے علماء ہند کے [illegible]
ان میں چودہ ترجمے علماء دیوبند نے کئے ہیں"[103]

یہ ہے تراجم قرآن کا وہ وسیع ذخیرہ جس سے ہر قسم کے افراد فائدہ اٹھا رہے ہیں

لیکن بعض افراد کے نزدیک تراجم کے نقصانات ہیں ڈاکٹر عبدالولی لکھتے ہیں:

"لیکن قرآن کریم کے اکثر مترجمین قرآن کے الفاظ صحیح مفہوم کو منتقل نہیں کر سکتے اسی وجہ سے بہت سارے [illegible]
تراجم کو مسترد کر دیا ہے"[104]

لیکن یہ اعتراض کچھ زیادہ جان نہیں رکھتا کیونکہ زیادہ نفع نہ حاصل کر سکنے کا یہ مطلب نہیں کہ تھوڑا بھی چھوڑ [illegible]

آسان سے آسان تر کی تلاش

---

[102] فتح الرحمان، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ فہد پرنٹنگ کمپلیکس (مدینہ منورہ) ۱۴۱۷ھ

[103] عربی تفسیروں کے اردو ترجمے۔۔۔ تعارف و تجزیہ، مولانا اشتیاق احمد، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، اپریل ۲۰۱۱ء

[104] بحوالہ قرآن کریم کے اردو تراجم، ص 369

استعماری تسلط نے زندگی کے دوسرے گوشوں کی طرح اہلیان برصغیر پاک وہند کی زبان پر بھی گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ انگریزوں کی آمد سے پہلے یہاں کی سرکاری زبان فارسی تھی اسی وجہ سے شاہ ولی اللہ نے قرآن کا فارسی میں ترجمہ کیا اور اہل علم میں عربی کا طوطی بولتا تھا۔ لیکن گوروں نے سب سے پہلے انہی دونوں زبانوں کو اپنا ہدف بنایا اور ان کی حیثیت کو کم تر کر دیا۔ اردو زبان جب ان کی جگہ لینے لگی تو علماء نے اردو میں دینی مواد کو منتقل کرنا شروع کر دیا۔

"اس بندے عاجز عبدالقادر کے خیال میں آیا کہ جس طرح ہمارے بابا صاحب بہت بڑے، شیخ ولی اللہ بن عبدالرحیم کے بیٹے، سب حدیثیں جاننے والے، ہندوستان کے رہنے والے نے فارسی زبان میں قرآن کے معنی آسان کر کے لکھے ہیں اس طرح عاجز نے ہندی زبان میں قرآن شریف کے معنی لکھے۔"[105]

لیکن پھر عوام کی جانب سے یہ شکوہ ہوا کہ یہ تو عربی وفارسی زدہ اردو جو ہمیں سمجھ نہیں آتی لہٰذا اس کو آسان کیا جائے تو متروک الفاظ کو تراجم سے نکالا گیا چنانچہ حضرت شیخ الہند لکھتے ہیں:

دو باتیں ایسی پائیں جس کی وجہ سے عام طور پر لوگ ترجمہ موصوف سے نفع اٹھانے میں قاصر ہیں۔ اول بعض الفاظ و محاورات کا اس زمانہ میں متروک یا قریب بمتروک ہو جانا۔۔۔۔۔ الخ[106]

اور یہ سلسلہ مولانا مودودی سے لے کر اب تک مفتی تقی عثمانی تک جاری ہے ذیل میں مختلف مترجمین کا نمونے کا ترجمہ درج ہے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ آسان آسان سے ترکی طرف کا یہ سفر کس طرح جاری وساری ہے۔

سورہ ص کی آیت ۴۴ کا ترجمہ مختلف مترجمین کا یہ ہے:

نِعۡمَ الۡعَبۡدُ ؕ اِنَّہٗۤ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾

(ایوب علیہ السلام) بہترین بندہ، اپنے رب کی طرف بہت رجوع کرنے والا (مولانا مودودی)[107]

---

[۱۰۵] مقدمہ موضح القرآن، شاہ عبدالقادر، ص۶،

[106]

کیا اچھا بندہ بے شک وہ بہت رجوع کرنے والا ہے (مولانا احمد رضا خان)[108]

وہ بڑا نیک بندہ تھا اور بڑی ہی رغبت رکھنے والا (مولانا محمد جونا گڑھی)[109]

بہت خوب بندے تھے بے شک وہ رجوع کرنے والے تھے (مولانا فتح محمد جالندھری)[110]

بہترین بندہ اور یقیناً تھا وہ اپنے رب کی رجوع کرنے والا (سید شبیر احمد)[111]

وہ بہترین بندے تھے اور واقعی وہ اللہ سے خوب لو لگائے ہوئے تھے (مفتی تقی عثمانی)[112]

ان سب تراجم میں تقی عثمانی کا ترجمہ سب سے بعد میں آیا ہے اور اس میں وہ اللہ سے خوب لو لگائے ہوئے تھے کے الفاظ و اقعی بہت آسان اور مناسب معلوم ہوتے ہیں

تفسیر وقرات پر مبنی اعتراضات کا جائزہ

اجناس گولڈ زیہر (Ignaz Goldziher) (م ۱۹۲۱) مستشرقین کے اس طبقہ سے تعلق رکھتا ہے جس نے اسلامی شریعت اور اس کے بنیادی مصادر کو اپنی تنقید کا خصوصی مرکز بنایا ہے۔اس کی ولادت ہنگری کے ایک شہر Szikesfeherver میں ۲۲ جون ۱۸۵۰ء کو ہوئی۔[113] کم عمری میں [illegible]

---

۱۰۷ تفہیم القرآن ج 5، ص 345

۱۰۸ اتفاق پبلشرز، لاہور ص ۳۶۵

۱۰۹ شاہ فہد قرآن پرنٹنگ کمپلیکس، طبع و سن ندارد، ص ۱۲۳۵

۱۱۰ فتح الحمید ص 378

۱۱۱ قرآن آسان تحریک، لاہور۔ ص ۶۸۵

۱۱۲ آسان ترجمہ قرآن، مفتی تقی عثمانی، ج 3، ص 245، طبع اول 2009

۱۱۳ الاعلام، خیر الدین زرکلی، بحوالہ اختلاف قرات پر مبنی شبہات کا علمی جائزہ، فیروز الدین شاہ کھگہ، ص 226 جامعہ پنجاب، طبع اول 2007

عہد نامہ عتیق کا عبرانی ایڈیشن اور تالمود پڑھ لی تھی ، ۱۲ سال کی عمر میں عبرانی زبان میں مناجات کی اصل اور ان کی اقسام پر ایک مقالہ لکھا اور اس کو شائع کر وایا [114]

بوڈاپسٹ (Budapest) ، برلین (Berlin) ، لپزگ (Leipzig) اور لائیڈن (Leiden) کی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کر تا رہا بعدازاں شوقِ علم اس کو شام کے مشہور عالم شانخ طاہر الجزائری کی پاس لے گیا اور ان کی صحبت میں کافی عرصہ گذارا ، اس کے بعد فلسطین اور پھر مصر منتقل ہوا جہاں جامعہ ازہر کے علماء سے استفادہ کیا۔واضح اجازت حاصل کر کے اس میں داخلہ لے لیا اور بحیثیت طالب علم نے پڑھنا شروع کیا۔

گولڈ زیہر کی تحقیقی نگار شات کا دائرہ اگرچہ بڑا وسیع تھا لیکن اس کا تعلق زیادہ تر یہودی اور سامی زبانوں (جن میں عربی بھی شامل تھی) کے ادب و لٹریچر کے مطالعہ سے تھا مگر لائیڈن میں قیام اور اسلامیات کے درس مطالعہ کے بعد ، جیسا کہ خود گولڈز یہر نے اپنی ڈائری میں تحریر کیا ہے اسلام اور اس پر تحقیق اس کی علمی زندگی کا نہایت اہم مشن بن گیا۔چنانچہ ۱۸۷۴ءمیں ہنگری کی امپیریل اکیڈمی کی روداد میں گولڈز یہر کے علمی کارنامہ کی اشاعت ہوئی تو علوم شرقیہ خصوصاً اسلام اور اس کے متعلقات کے ایک جدید طرز کے محقق کی حیثیت سے لوگوں کی نگاہیں اسی کی طرف اٹھنے لگیں اور یہی واقعہ اس کی شہرت کانقطہ آغاز بنا ۔[115]

قرآن مجید کی قراءات ، تفسیر اور تفسیر کے مختلف مناہج و اسالیب کے حوالہ سے گولڈ زیہر کی مشہور کتاب کا عربی ترجمہ: مذاہب التفسیر الاسلامی کے نام سے قاہرہ یونیورسٹی کے استاذ ڈاکٹر عبد الحلیم النجار نے کیا ہے یہ ترجمہ پہلی مرتبہ ۱۹۵۵ ءمیں مصر سے شائع ہو کر ارباب علم و ادب میں بہت مقبول ہوا۔اگر چہ اسلامی موضوعات میں تحقیق کے دوران قراءتِ قرآنیہ براہِ راست اور مستقل طور پر گولڈز یہر کا موضوع نہین رہا تا ہم مذاہب التفسیر الا سلامی میں خاص طور پر پہلے باب کے آغاز میں

---

[114] ایضاً

[115] حوالہ بالاص231

۷۰ صفحات ، قرآنی متن میں اضطراب اور نقص ثابت کرنے کے لئے حدیث سبعہ احرف کی استنادی حیثیت اور قراءات کی حجیت و قطعیت پر بہت سے اعتراضات و شبہات پر مشتمل ہیں۔

گولڈ زیہر نے قرآنی نص کو محل اضطراب اور غیر ثابت متن قرار دینے کے لئے قراءات کو ہدف تنقید بنایا اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ تمام تشریعی کتب میں سے قرآن ایک ایسی کتاب ہے جس کو سب سے زیادہ اضطراب اور عدم ثبات کا سامنا کرنا پڑا، اس نے دیگر کتب سماویہ سے قرآن کا تقابل کرتے ہوئے نصِ قرآنی کی بابت زیادہ شبہات پیش آنے کا نظریہ قائم کیاہے اس کے الفاظ یہ ہیں :

"لایوجد کتاب تشر یعی اعترفت بہ طائفۃ دینیۃ اعرافاً عقد یا علی نص منزل او موحی بہ یقدم نصہ فی اقدم عصور تداولہ مثل ہذہ الصورۃ من الا ضطراب و عدم الشبہات کمانجد فی نص القرآن"[116]

یعنی کسی بھی مذہب کے عقیدہ کی آسمانی یا الہامی کتاب جس کی نص کو موجودہ دور میں سب سے زیادہ اضطراب اور عدم ثبات کا مسئلہ در پیش ہے وہ قرآنی نص ہے۔

ہمارے خیال میں مستشرق موصوف کا یہ دعویٰ وہ لحاظ سے بڑا تعجب خیز ہے گولڈ زیہر نے سابقہ شریعتوں کی کتب کو ان کی اصلی نصوص میں نہیں دیکھا تو کیسے حکم لگا سکتا ہے کہ ان میں قرآن کی طرح متعدد قراءات وجود نہیں تھیں۔جبکہ اسی باب میں گولڈ زیہر نے تلمود ، تورات کے ایک ہی وقت میں کثیر زبانوں میں نازل ہونے کا قول اختیار کرتا ہے۔

اسی طرح دیگر کتب سابقہ کی نصوص میں اختلافات کا ایک کثیر حصہ ہے جو آپس میں ایک دوسرے کے بالکل متضاد ہیں۔

قرآن کی معتمد قراءات ، بسا اوقات ، ایک ہی نص میں مختلف ہوتی ہیں لیکن ان سب کی نسبت چونکہ مصدرِ اصلی (رسول اللہ ﷺ) کی طرف ہوتی ہے۔لہٰذا وہ تمام صورتیں بھی قرآن ہیں کیونکہ

---

[116] ایضاً

آپ کے بقول قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے اور آپ نے اجازت دی کہ جس میں سہولت ہو وہی اختیار کرو۔[117]

سائنسی علوم سے متعلقہ ابحاث

ایک خوبی جو پوری طرح قرآن کریم کے ساتھ مخصوص ہے، یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے بحث کی جاتی ہے تو اس متعدد مقامات پر تمام انواع کے قدرتی حوادث سے متعلق اظہار خیال دکھائی دیتا ہے یعنی فلکیات سے لے کر انسانی توالد و تناسل، کرہ ارض، عالم حیوانی و نباتی تک سب کچھ اس میں موجود ہے یہاں یہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کہ قرآن کریم نے تخلیق کے موضوع پر کیا کہا ہے[118]

ہمارے زمانے میں مصر کے ایک عالم (اجل) شیخ طنطاوی (متوفی ۱۲ جنوری ۱۹۴۰) نے تفسیر کے تجدیدی مطالعے کی کوشش کی ہے۔ الجواہر فی تفسیر القرآن الکریم کے نام سے ان کی تفسیر ۲۶ جلدوں میں مصر سے شائع ہو چکی ہے۔ اس تفسیر میں انہوں نے بہت سے ایسے خیالات کا اظہار کیا ہے فلسفے اور جدید سائنس سے ماخوذ ہیں[119]

اکثر لوگ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ قرآن کریم میں ہر علمی نظریہ موجود ہے اس لئے جب کوئی کوئی نیا نظریہ ظاہر ہوتا ہے تو اسے کسی آیت پر محمول کرتے ہوئے اس کی ایسی تاویل کرتے ہیں جو اس نظریہ سے مطابقت رکھتی ہو حالانکہ یہ سب کچھ درست نہیں۔ غلطی پیدا ہونے کا سبب یہ ہے کہ زمانے کے ساتھ ساتھ ترقی کی پیروی کرتے ہوئے علمی نظریات میں تجدید ہوتی رہتی ہے اور وہ ہمیشہ سے نقص میں مبتلا ہیں، کبھی کسی نظریہ کو اس کی دقیق کلام پناہ دیتی ہے اور کبھی غلطی اسے محفوظ کر دیتی ہے یہی سلسلہ جاری رہتا ہے حتیٰ کہ وہ نظریہ جو غیر یقینی صورت اور اندازے سے شروع ہوتا

---

[117] حوالہ بالا۔ ص ۲۳۳

[118] مقدمہ بائبل، قرآن اور سائنس، موریس بوکائیے، ترجمہ ثناالحق صدیقی، ص ۱۵، مشتاق بک کارنر، اردو بازار، لاہور، طبع ۲۰۰۰

[119] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۶ ص ۹۰۴، جامعہ پنجاب، لاہور، طبع اول ۱۹۶۲

ہے ، تو اس تجربات کی بھٹی سے گذرنا پڑتا ہے یہاں تک کہ اس پر یقین آجائے یا پھر اس کا کھوٹا
پن اور غلط ہونا ظاہر ہو جائے اس میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔

لہذا اس حوالے سے کوئی بھی قطعی حکم لگانے سے گریز کیا جائے۔

نتائج بحث

سابقہ صفحات میں اس امر کا مطالعہ کیا گیا کہ استعماری تسلط نے کس طریقے سے کچھ لوگوں کے ذہن پر اثرات مرتب کئے کہ انہوں نے تفسیرِ قرآن جیسے اہم اور عظیم الشان علم کو اپنے رائے کی آماجگاہ بنالیا۔ انہوں نے تفسیر کے ذریعے الحاد اور بے دینی کو عام کرنے کی کوشش کی۔ اگرچہ اس کے لئے انہوں نے بڑے خوشنما اور مسحور کن الفاظ کا استعمال کیا۔ سابقہ علوم کی اہمیت اور حیثیت کو انہوں نے بیک جنبش قلم ختم کردیا۔ صرف و نحو کی تو کیا حیثیت تھی انہوں نے فقہ بلکہ حدیث تک کو ناقابل حجت قرار دے دیا۔

یہ درست ہے کہ بدلتے ہوئے زمانے کے ساتھ انداز تحریر اور اسلوب بیان بدل جاتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ چودہ سو سال کے مسلمہ عقائد اور حقائق کو بالکل ہی ختم کردیا جائے۔ اضافے اور تبدیلی کے لئے مثبت قدم اٹھائے جا سکتے ہیں۔ مثبت اضافہ جات کی کئی ایک مثالیں ہو سکتی ہیں اور اس کے کئی ایک اسالیب بیان ہو سکتے ہیں۔ یہ اضافہ جات نہ صرف ممکن الوقوع ہیں بلکہ اس وقت موجود بھی ہیں جیسے مولانا ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸ء۔ ۱۹۵۸ء) نے قرآن کریم کی ترجمانی کرتے ہوئے ان تمام مقامات کا نہایت باریک بینی، شیفتگی اور والہانہ انداز سے مطالعہ کیا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے جمال فطرت، حسنِ کائنات اور کرشمہ تخلیق کا اظہار یا اشارہ کیا ہے۔ پھر ان سارے بیانات کو اس خوبصورت انداز سے باہم مربوط کیا ہے کہ پورا قرآن فطرت کا حسین گلدستہ نظر آنے لگتا ہے، جہاں جمال فطرت کا اجمالی ذکر ہے، وہاں مولانا آزاد ایک مصور کی آنکھ سے دیکھتے اور شاعر کی زبان سے بیان کرتے ہیں، ایسے مقامات پر مولانا آزاد کا زورِ قلم اپنی بہار لا نیاں دکھاتا اور قاری کو مسحور کر لیتا ہے۔ ترجمان القرآن کے یہ مقامات روح قرآن اور حسنِ قدرت کا عاشقانہ اظہار بھی ہیں اور اردو زبان وادب کا شاہکار بھی۔ جب فکر کی پاکیزگی فن کی خوبصورتی میں ڈھلتی ہے تو ادب عالیہ نمود پاتا ہے اور اس کی زندہ مثال مولانا آزاد کے یہ مباحث ہیں جو قرآن جمالیات کی نقاب کشائی کرتے ہیں۔

اسی طرح معارف القرآن میں مفتی محمد شفیعؒ نے عصر حاضر کے فقہی مسائل کو بڑی خوبصورتی سے اپنی تفسیر میں سمیٹا ہے۔ سود سے متعلقہ آیات میں مفتی صاحب موصوف نے خوبصورت انداز اختیار کیا ہے۔ مولانا مودودی اور سید قطب شہید نے اپنی تفاسیر میں عصر حاضر کے سیاسی، معاشرتی اور معاشی مسائل کو دلائل و براہین کی روشنی عصری مسائل سے تطبیق دینے کی قابل قدر مساعی کی ہیں۔

استعماری تسلط اپنی تمام تر قوت اور طاقت کے باوجود صرف چند افراد کو ہی تفسیر قرآن میں غیر اسلامی نظریات داخل کرنے پر مائل کر سکا ہے اور امت مسلمہ نے ان کے افکار اور نظریات کو بھی قبول کرنے بالکل انکار کر دیا ہے۔ دنیاوی معاملات میں اگرچہ کافی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں لیکن قرآن جیسے حساس معاملے میں استعمار کی کامیابی کمتر رہی ہے لیکن اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

تجاویز و سفارشات

- ✓ تفسیر قرآن کا مسئلہ شروع دن سے ہی مسلمانوں میں انتہائی اہمیت کا حامل رہا ہے اور ہونا بھی چاہیئے کیونکہ یہ کلام الٰہی کا معاملہ ہے۔ لہذا بحیثیت مسلمان ہمارے لئے ضروری ہے کہ اس موضوع پر لکھی گئی اہم کتب کی ایک مختصر لائبریری عام آدمی کی پہنچ میں ہو۔
- ✓ وقتاً فوقتاً قرآن سے متعلق اہم موضوعات پر اہل علم لوگوں کی مجلس منعقد کی جائے تاکہ ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔ نیز نوآموز لوگوں کی تربیت کا سامان بھی ہوتا رہے۔
- ✓ ملکی سطح کی جامعات میں قائم علوم اسلامیہ شعبہ جات پر یہ ذمہ دار عائد ہوتی ہے کہ وہ اس شعبے میں متخصصین پیدا کریں۔ جنہوں نے گریجوایشن یا ماسٹر لیول پر علم تفسیر کا اختصاصی مطالعہ کیا ہو۔
- ✓ جامعات میں اصول تفسیر کی ایک بنیادی کتاب کو شامل کیا جائے تاکہ طلبہ میں اس حوالے سے آگہی اور شعور پیدا ہو۔
- ✓ جامعات کی سطح پر ایک ذیلی شعبہ قائم کیا جائے جو صرف تفسیر قرآن تک محدود ہو اور پہلے سے قائم شدہ شعبہ جات کو مزید فعال کیا جائے۔
- ✓ وقت کی ایک اہم ضرورت یہ بھی ہے تفسیر قرآن کے حوالے سے دینی اور عصری جامعات کے تحقیقی کاموں میں ارتباط اور جوڑ پیدا کیا جائے دونوں قسم کی درسگاہوں کو ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے۔
- ✓ وسائل کی کمی کے باعث زیر نظر مقالے میں صرف اردو تفاسیر کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ ایسے محققین جن کو وسائل کی جیسے مسائل کا سامنا نہیں ہے ان کو چاہیئے کہ وہ اس موضوع کا دائرہ عربی اور انگلش جیسی بین الاقوامی زبانوں تک وسیع کر دیں اور عربی و انگلش تفاسیر میں استعماری تسلط کے اثرات کی نشاندہی کریں تاکہ اس سے [illegible] پھیلنے والے فتنے سے اہلیان اسلام کی حفاظت ہو سکے۔

✓ اس حوالے سے یہ بات ذہن نشین کرائی جائے کہ قرآن مفاہیم ناقابل ترمیم و تبدیلی ہیں جبکہ عصری علوم بدلتے رہتے ہیں

فہرست مصادر و مآخذ

قرآن و حدیث

1۔ قرآن کریم

2۔ صحیح بخاری، مکتبہ قرآن و حدیث، ملتان، طبع و سن ندارد

تراجم و تفاسیر قرآن

1۔ البیان، جاوید احمد غامدی، المورد، لاہور طبع دوم 2003

۲۔ ابن کثیر، نور محمد کارخانہ تجارت، کراچی۔ طبع و سن ندارد

3۔ آسان ترجمہ قرآن، مفتی تقی عثمانی، طبع اول 2009

۴۔ ترجمہ مولانا احمد علی لاہوری، انجمن خدام الدین، شیرانوالہ گیٹ، لاہور طبع ۱۹۸۰

5۔ ترجمہ و تفسیر عثمانی، مولانا محمود الحسن و علامہ شبیر احمد عثمانی، شاہ فہد پرنٹنگ کمپلیکس، 1989

6۔ ترجمۃ الآیات فی لسان المیوات، حامد محمود راجہ، جامعہ مسجد عثمانیہ، چک 55، قصور طبع اول 2005

7۔ ترجمہ امام احمد رضا خان بریلوی، اتفاق پبلشرز، لاہور

۸۔ ترجمہ محمد جوناگڑھی شاہ فہد قرآن پرنتنگ کمپلیکس، طبع و سن ندارد، ص ۱۲۳۵

۹۔ تفسیر ثنائی، احسان الٰہی ظہیر، ص ۵، مکتبہ نعمانی، لاہور، طبع اول ۱۹۸۵

10۔ تفسیر حقانی، مولانا عبد الحق حقانی، الفیصل ناشران کتب، اردو بازار لاہور۔

۱۱۔ تفسیر قرآن، سر سید احمد خان، علی گڑھ کالج بک ڈپو، علی گڑھ۔ طبع ندارد

12۔ تفہیم القرآن، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور۔ طبع پنجم، 1980

13۔ روح المعانی، سید محمود آلوسی، مکتبہ امدادیہ، ملتان، پاکستان۔ طبع و سن ندارد

14۔ سید شبیر احمد ، قرآن آسان تحریک، لاہور۔ مختلف طباعتیں

۱۵۔ فتح الحمید، مولانا فتح محمد جالندھری، تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور۔ طبع ۲۰۰۴

۱۶۔ فتح الرحمان، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ فہد پرنٹنگ کمپلیکس (مدینہ منورہ) ۱۴۱۷ھ

17۔ معارف القرآن، مفتی محمد شفیع، ادارۃ المعارف، کراچی۔ طبع جدید 2001

18۔ معالم العرفان، صوفی عبدالحمید خان سواتی، مکتبہ دروس القرآن، گوجرانوالہ، طبع دوم 1995

۱۹۔ موضح القرآن، شاہ عبدالقادر، تاج کمپنی لمیٹڈ۔ لاہور طبع ۲۰۰۴

دیگر کتب

20۔ اختلاف قرأت پر مبنی شبہات کا علمی جائزہ، فیروز الدین شاہ کھگہ، جامعہ پنجاب، طبع اول 2007

۲۱۔ اردو کے اسالیب بیان، ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور، چمن بکڈپو اردو بازار، دھلی

22۔ اسیرانِ مالٹا، مولانا محمود میاں، مکتبہ محمودیہ، کریم پارک، لاہور، طبع جدید 1999

24۔ التبیان فی علوم القرآن، محمد علی صابونی، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور۔ طن، س ن۔

25۔ الفوز الکبیر، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مکتبہ علوم اسلامیہ، اردو بازار، لاہور۔ طبع و سن ندارد

۲۶۔ پاکستان کا معمار اول، ادارہ طلوع اسلام، لاہور

۲۷۔ پمفلٹ کافر گری، ادارہ طلوع اسلام، لاہور

۲۸۔ تاریخ ادب اردو، از رام بابو صاحب سکسینہ، ۱۹۷۷، ناشر خاتون مشرق، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی

۲۹۔ تاریخ قرآن، ڈاکٹر محمود احمد رامیار، موسسہ انتشرات امیر کبیر، تہران، طبع دوم ۱۳۶۲ھ

۳۰۔ ترجمہ نگاری اور ابلاغیات، مولانا آزاد انٹرنیشنل یونیورسٹی حیدر آباد، انڈیا

31۔ حیات جاوید، مولانا الطاف حسین حالی، مفید عام پریس، آگرہ، سن ندارد

۳۲۔ خود نوشت سوانح حیات، مولانا ثناء اللہ امر تسری، مکتبہ السلام، لاہور، طبع دوم ۱۹۹۵

33۔ سر سید احمد خان اور ان کے نامور رفقاء، از ڈاکٹر سید عبد اللہ، ناشر چمن بکڈپو اردو بازار، دہلی

۳۴۔ قرآن حکیم کے اردو تراجم، ڈاکٹر صالحہ عبد الحکیم شرف الدین، قدیمی کتب خانہ، کراچی

35۔ مباحث فی علوم القرآن، مناع القطان، مکتبہ محمدیہ، اردو بازار، لاہور۔ طبع اول 2009

۳۶۔ Encyclopedia of Islam and the Muslim world, Richard C martin, p 32 Macmillan Reference, New York, 2004

۳۷۔ Christian Muslim dialogue in the twentieth century , Ataullah Sidequi p 8, Palgrave Macmillan

, New York, 1997

لغات

۳۸۔ المنجد، لویس معلوف، دار المشرق، بیروت، طبع ۳۵، ۱۹۹۶

۳۹۔ لغات فارسی، دار عمر فاروق، حضرو، ط ن، س ن

۴۰۔ آکسفرڈ ڈکشنری، آکسفرڈ یونیورسٹی پریس، طبع ہفتم ۲۰۰۵

۴۱۔ فیروز اللغات، فیروز سنز، لاہور۔ ط ن، س ن۔

رسائل و جرائد

42۔ پندرہ روزہ، مجلہ اہل حدیث مورخہ ۷-۱۲ ستمبر ۱۹۸۰

43۔ ماہنامہ التفسیر، اکتوبر تا دسمبر 2006، جلد 2، شمارہ 4۔

۴۴۔ ماہنامہ دار العلوم دیوبند، اپریل ۲۰۱۲۔ جلد ۹۶، شمارہ ۴-۳

45۔ ماہنامہ مطالعہ قرآن، ج اول، شمارہ 5، جولائی 2006

46۔ ماہنامہ الحق، اکوڑہ خٹک، پشاور، فروری 1992

47۔ ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور، فروری 2011،

۴۸۔ ماہنامہ نصرۃ العلوم، مفسر قرآن نمبر، اگست تا اکتوبر ۲۰۰

فہرست آیات مبارکہ

نمبر شمار	آیات	نمبر	سورۃ	صفحہ
.1	یمدھم فی طغیانہم	15	البقرۃ	54
.2	يُذَبِّحُونَ اَبْنَآءَكُمْ	49	البقرہ	[illegible]
.3	وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ	187	البقرۃ	[illegible]
.4	يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ	53	الأعراف	[illegible]
.5	وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ	4	ابراھیم	[illegible]
.6	وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ	23	یوسف	[illegible]
.7	وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا	33	الفرقان	[illegible]
.8	بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ	195	الشعراء	[illegible]
.9	نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ	44	ص	5[illegible]
.10	ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ	75	الْقِيٰمَةِ	[illegible]
.11	عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى	5	النجم	45
.12	فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى	5	الاعلی	54

ڈپٹی نذیر احمد پر عہد استعمار کے اثرات

ڈپٹی نذیر احمد نے انگریزی دور کی کئی ایک قانونی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا تھا انہی میں سے ایک تعزیرات ہند بھی تھی جس کی بدولت انہیں کانپور کی تحصیل داری ملی اسی طرح اور بھی کئی ایک کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا جس کی وجہ سے ان میں ترجمہ نگاری کی صلاحیتیں اپنے عروج پر پہنچ گئیں اور پھر آخر میں ترجمہ قرآن کی طرف متوجہ ہوئے

ڈپٹی نذیر احمد کے اسلوب ترجمہ قرآن کے بارے میں ایک نقاد کی رائے حسب ذیل ہے

"حافظ نذیر احمد عربی ادب میں مہارت رکھتے تھے لیکن ان کے اسلوب بیان میں کوئی گہرائی نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ فطرت کی طرف سے ناول نگاری کے لئے پیدا گئے تھے۔ نذیر احمد اکثر دفعہ خیالات کی رو کے ساتھ اس طرح بہہ جاتے ہیں کہ دامن ادب ان کے ہاتھ سے چھوٹا پڑتا ہے اور یہی نقص ہے جس کی بنا پر نہ صرف ادبیت کا فقدان ہو جاتا ہے بلکہ عالمانہ شان بھی ہاتھ سے جاتی رہتی ہے۔ وہ اگرچہ جید عالم تھے لیکن ان کی عبارتوں سے ان کی قابلیت اور تحقیق کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ نہایت سنجیدہ اور ثقہ بحث میں بھی وہ مذاق اور عامیانہ اسلوب بیان استعمال کرتے ہیں ۔نذیر احمد کی طرز عبارت مرزا غالب کے اسلوب سے مختلف تھی۔ غالب کی خودداری کا اقتضا یہ تھا کہ وہ دلی کی روزمرہ سے سادہ زبان نہ لیں جو دلی کے عوام اور بازاری لوگ بولتے ہیں بلکہ وہ جو وہاں کے شرفا اور اعلی طبقہ میں مستعمل ہے، یہی وہ امتیازی فرق ہے جو بڑھ جانے کے بعد نقص کی شکل میں نمودار ہو کر نذیر احمد کے نہ صرف سنجیدہ مباحث بلکہ قرآن شریف کے ترجمہ میں بھی مورد الزامات رہا۔"[35]

دراصل جس نظام حکومت میں نذیر احمد کام کر رہے تھے وہاں عربی فارسی کے عام فہم الفاظ کو بھی مشکل سمجھا جاتا تھا ہو سکتا ہے اسی تصور کے رد عمل میں انہوں نے بہت ہی زیادہ عامیانہ اسلوب استعمال کیا ہو اس کی تائید ڈاکٹر صالحہ عبد الحکیم کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے:

---

[۳۵] اردو کے اسالیب بیان، ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور، صفحہ ۴۹، ۴۸، ۴۷

"اس میں شک نہیں کہ نذیر احمد ایک کامیاب مترجم تھے۔ ترجمہ کے فن کو انہوں نے کمال تک پہنچا دیا تھا۔ اس کا ثبوت ان کی دینی اور قانونی کتابیں ہیں، وہ ایک جذباتی مصلح تھے اور انہوں نے اپنے ادبی فن کو معاشرے کی اصلاح کے لئے استعمال کیا۔ ان کا طریقہ کار سر سید احمد خاں سے جدا تھا۔ انہوں نے ناول کو خاص طور پر اسی اصلاحی مقصد کے لئے استعمال کیا۔ ان کے ناولوں کو پڑھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے ناول کو اپنی ادبی اور فنی صلاحیتوں کے اظہار کے لئے یا تحقیقی اور خیالی جذبے کو اجاگر کرنے کے لئے نہیں بلکہ معاشرے کی اصلاح کی غرض سے لکھا ہے۔ ان کا انتقال مطابق ۱۹۱۲ میں ہوا۔" [36]

استعماری تسلط نے عربی اور فارسی الفاظ کو لوگوں کے لئے ناقابل فہم بنا دیا تھا اسی وجہ سے انہوں نے عوامی زبان میں ترجمہ لکھا جس کی وجہ سے ان پر تنقید بھی ہوئی

۴۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی

شیخ الہند مولانا محمود الحسن ابن مولوی ذوالفقار علی، دیوبند ضلع سہارنپور کے رہنے والے تھے، آپ کی پیدائش ۱۸۵۱ میں ہوئی۔ یہ اپنے والد مولوی ذوالفقار علی انسپکٹر آف اسکولز کے سب سے پہلے صاحبزادے تھے۔ مولانا ذوالفقار علی دیوبندی، مولانا محمود الحسن کے والد محترم ہیں۔ سلسلہ نسب حضرت عثمان غنی سے ملتا ہے۔ بانیان دار العلوم میں شمار ہوتے ہیں۔ عربی زبان و ادب کے علاوہ انگریزی پر بھی عبور رکھتے تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد بریلی کالج میں پروفیسر مقرر ہوئے۔ اعلی کارکردگی بناپر ڈپٹی انسپکٹر مدارس مقرر ہوئے۔ [37]

بچپن میں قرآن کی ابتدائی تعلیم ایک بزرگ میاں جی بنگلوری نے دی، عربی اور فارسی کا درس اپنے چچا مولوی جناب علی سے لیتے تھے۔ بچپن ہی سے ذہانت اور فطانت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ علم کا شوق بھی تھا۔ ۱۸۶۶ میں ہندوستان کی مشہور و معروف دینی درس گاہ اور اسلامی ثقافتی مرکز، مدرسہ دیوبند کا افتتاح ہوا۔ اس کے اولین [illegible] میں مولانا محمود الحسن تھے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی ان کے استاد تھے۔ خاص طور پر مولانا محمود الحسن نے علم حدیث مولانا محمد

---

[36] قرآن حکیم کے اردو تراجم، ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین، ص۱۵،

[37] مولانا ذوالفقار علی دیوبندی، مدثر جمال تونسوی، ماہنامہ دار العلوم دیوبند، اپریل ۲۰۱۲۔ جلد ۹۶، شمارہ ۴-۳

قاسم نانوتوی کی زیر سرپرستی حاصل کیا۔اس کے علاوہ دیگر مضامین کا علم بھی انہوں نے بڑی لگن اور محنت سے حاصل کیا ۔تقریباً بیس سال کی عمر میں وہ تعلیم سے فارغ ہو گئے اور فوراً ہی مدرسہ دیوبند کے مدرس معین ہو گئے۔اس قدر علم تھا کہ طلبہ اور مدرسین دونوں کا احترام کرتے تھے۔۱۹۲۰ تک دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث دونوں تھے۔ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ انہوں نے سیاسی تحریکات میں بھی حصہ لیا۔اس زمانے میں یورپ اور ایشیا میں سیاسی ہیجان بپا تھا۔اسلام کو کچلنے کی مہم بھی ہر طرف سے ہو رہی تھی۔اسلامی ممالک کمزور اور کسمپرسی کی حالت میں تھے۔۷ ذوالقعدہ ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۷ ستمبر ۱۹۱۵ء میں مولانا نے حج کی نیت کی اور سفر کیا۔اللہ کو یہ منظور تھا کہ انہیں قید کر لیا گیا اور جزیرہ مالٹا بھیج دیا گیا۔یہ جزیرہ انگریزی استعماریت میں تھا۔مولانا ۲۱ فروری ۱۹۱۷ء کو مالٹا پہنچے کچھ عرصے انہیں ساتھیوں سمیت قید میں رکھا گیا۔اس اسیری سے ۱۹۱۹ میں نجات ملی اور ان کو ان کے ساتھوں سمیت ہندوستان روانہ کر دیا گیا۔وہ سلامتی سے یہ بمبئی پہنچ گئے۔[38]

مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور دوسرے علمائے کبار نے جس طرح اسیری زنداں کو بوقف تحقیق علم کر دیا تھا اسی طرح مولانا محمود الحسن کا ترجمہ قرآن بھی سال بھر میں مالٹا کی قید کے دوران مکمل ہو گیا۔مولانا نے ترجمہ قرآن کو کتنی اہمیت دی تھی اس کا اندازہ اسے ہو سکتا ہے کہ مالٹا جاتے وقت جب کسی وجہ سے جہاز کے غرق ہونے کا اندیشہ ہو گیا تھا تو مولانا نے ترجمہ کے مسودے کے اوراق مولوی عزیز گل کے سینے سے باندھ دیئے کہ اگر کوئی بچاؤ کی صورت میں نکل آئے۔[39]

مولانا محمود الحسن کی تراجم سے استعماری اثرات مٹانے کی کوشش

شیخ الہند کی سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ انہوں نے اپنی تفسیر میں انگریزوں کی سخت مخالفت کی ہو گی لیکن وہ تفسیری حواشی جو انہوں نے لکھے ہیں ان میں اس نوعیت کی کچھ چیزیں نہیں پائی جاتیں۔اس کی وجہ کا اندازہ ہمیں درج ذیل واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ایک دفعہ دارالعلوم میں ایک استفتاء انگریزوں سے متعلق آیا۔مولانا نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ اس کا جواب لکھو۔وہ کہنے لگے کہ آپ کے ہوتے ہوئے ہم کیسے جرات کر سکتے ہیں۔کہتے

---

[۳۸] شیخ الہند کا ترجمہ اور تفسیر عثمانی، تنویر احمد شریفی، ص 51، ماہنامہ الحق، اکوڑہ خٹک، پشاور، فروری 1992

[۳۹] اسیران مالٹا، مولانا محمود میاں، ص 145، مکتبہ محمودیہ، کریم پارک، لاہور، طبع جدید 1999